بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبضہ کی حقیقت، کرنسی
سوناچاندی اورآن لائن
تجارت کے بعض احکام ومسائل

مولانامفتی اختر امام عادل قاسمی

شائع کردہ

مفتی ظفیرالدین اکیڈمی

جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور بہار الہند

قبضہ سے قبل اشیاء منقولہ کی فروخت کا مسئلہ

قبضہ سے قبل اشیاء منقولہ کی فروخت کا مسئلہ اتفاقی نہیں اختلافی ہے ،فقہاءحنفیہ[1] وشافعیہ[2] کے نزدیک یہ ناجائز ہے ۔

فقہاءمالکیہ طعام یعنی گندم یاغذائی اشیاء کے علاوہ تمام اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض کو درست قرار دیتے ہیں،طعام میں بھی عدم جواز کا حکم دوشرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

(الف)طعام بطور عقد معاوضہ حاصل کیا گیاہو۔

(ب)اور کیل یاوزن کے ساتھ اس کو فروخت کیاگیاہو،یعنی اگر بلا کیل ووزن اندازے سے فروخت کیا جائے تو اس صورت میں بیع قبل القبض درست ہو گی[3]۔

حنابلہ سے اس سلسلے میں کوئی مستحکم بات منقول نہیں ہے،حنفیہ،مالکیہ

---

[1] - الدر المختار ورد المحتار 4 / 162–فتح القديرج ٥ ص ٢٦٦،المبسوط للسرخسیؒ ج ١٣ ص٨۔

[2] - وشرح المحلي على المنهاج 2 / 212 ، والمغني 4 / 221 ، والشرح الكبير 4 / 117-

[3] -بداية المجتهد لابن رشد 2 / 143 . الشرح الكبير للدردير وحاشية الدسوقي عليه 3 / 151 ، 152-

اور شافعیہ ہر ایک کے موافق ان کے یہاں روایات موجود ہیں[4]، البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مشہور روایت حضرت امام مالکؒ کے مطابق ہے[5]۔

اس لحاظ سے اشیاء منقولہ کے بارے میں ائمۂ اربعہ کی آراء دو زمروں میں منقسم ہے، ایک رائے علی الاطلاق بیع قبل القبض کے عدم جواز کی ہے اور دوسری رائے غذائی اشیاء کا استثنا کر کے جواز کی ہے،

عدم جواز کے دلائل

عدم جواز کے قائلین ان روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں بلا تخصیص بیع قبل القبض کی ممانعت آئی ہے، مثلاً:

☆حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ:

نَهَى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ حَتَّى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ.[6]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے کسی سامان کی فروخت سے اس وقت تک منع فرمایا جب تک کہ تاجر اپنے کجاووں میں اس کو محفوظ نہ کر لیں۔

حضرت حکیم بن حزامؓ کو مخاطب کر کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[4] - والمغني 4 / 221 ،الشرح الكبير في ذيل المغني 4 / 116-

[5] -الإنصاف 4 / 460 – 461،وكشاف القناع 3 / 241،

[6] -سنن أبي داود ج 3 ص300 حديث نمبر :3501 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ــ بيروت عدد الأجزاء : 4

لا تبعه حتى تقبضه[7]

ترجمہ: قبضہ سے قبل اس کو فروخت نہ کرو۔

اسی طرح ان روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے جن میں غیر موجود ،غیر مملوک یا غیر مضمون چیز کی فروخت سے منع کیا گیا ہے:

لا يحل سلف وبيع ، ولا شرطان في بيع ، ولا ربح ما لم يضمن ، ولا بيع ما ليس عندك[8]

☆دراصل صحت عقد کے لئے مبیع کا مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے ،اور مبیع جب تک قبضہ میں نہ ہو اس کی حوالگی پر مکمل قدرت ممکن نہیں ،اس لئے قبضہ سے قبل کسی شے میں تصرف کرنا ایک بے معنیٰ سی بات ہے۔

☆اسی طرح اس میں اندیشۂ غرر بھی موجود ہے، ممکن ہے کہ مبیع قبضہ میں آنے سے قبل ہی ضائع ہو جائے،اور معاملہ فسخ کرنا پڑے۔

محدود جواز کے دلائل

دوسری رائے کے حاملین نے مرکز توجہ ان مخصوص روایات کو بنایا ہے جن میں خاص طور پر طعام کا ذکر ہے ،اور بعض میں یکتالہ کی تصریح آئی ہے ،مثلاً: حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

---

[7] - المجتبى من السنن ج 7 ص 286 حدىث نمبر :4603 المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي الناشر : مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب الطبعة الثانية ، 1406 – 1986 تحقيق : عبدالفتاح أبو غدة عدد الأجزاء : 8

[8] -أخرجه الترمذي (3 / 535 ط الحلبي) . وقال : حديث حسن صحيح-

فرمایا:

من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه . وفي لفظ حتى يكتاله وفي لفظ آخر : حتى يستوفيه[9]

اس مضمون کی بہت سی روایات متعدد کتب حدیث میں موجود ہیں[10]۔

یہ حضرات طعام کی قید کو قید احترازی قرار دیتے ہیں، جبکہ دیگر ائمہ اس کو قید اتفاقی کہتے ہیں، اس لئے کہ بعض روایات میں طعام کا ذکر نہیں ہے ،علاوہ ازیں خود راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی طعام کے ذکر کو محض

---

[9] - أخرجه البخاري (فتح الباري 4 / 349 ط السلفية) ، ومسلم (3 / 1160 ط عيسى الحلبي) . وفي لفظ : " حتى يكتاله " أخرجه مسلم (3 / 1160) . وفي لفظ آخر : " حتى يستوفيه " أخرجه البخاري (فتح الباري 4 / 349) ، ومسلم (3 / 1160)-.

[10] - رواه البخاري : صحيح 68/3 ، وفي رواية للبخاري أيضًا أن سفيان قال : الذي حفظناه من عمرو بن دينار سمع طاوسًا يقول : سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يقول : أما الذي نهى عنه النبي صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يباع حتى يقبض . قال ابن عباس : ولا أحسب : كل شيء إلاّ مثله . المصدر السابق ، وانظر صحيح مسلم : 168/1 ، والترمذي : 586/3 ، وانظر أيضًا منتقى الأخبار مع نيل الأوطار : 256/5 . رواه البخاري ومالك : صحيح البخاري : 68/3 ، والموطأ : 279/4 ، وانظر أيضًا منتقى الأخبار مع نيل الأوطار : 256/5- رواه أبو داود والنسائي : سنن أبي داود : 381/3 ، وسنن النسائي 286/7 – رواه أحمد : مسند الإمام أحمد : 11/1 . أخرجه مالك ، وأحمد : الموطأ بهامش المنتقى : 283/1 ، والمسند : 56/4 – رواه مسلم : صحيح مسلم : 171/1 ، وانظر المنتقى مع نيل الأوطار : 256/5– رواه مسلم ، صحيح مسلم : 172/1 ، وانظر أيضًا المنتقى مع نيل الأوطار : 256/5

اتفاقی قرار دیتے ہیں، ان کے الفاظ کتب حدیث میں اس طرح منقول ہیں:

ولا أحسب كل شيء إلا مثله[11]

یعنی میرا خیال یہ ہے کہ دوسری چیزوں کا بھی یہی حکم ہے،

حکم کی بنیاد

البتہ حنفیہ نے اس عموم سے اشیاء غیر منقولہ کو خارج کیا ہے، کیونکہ وہاں علت "غرر انفساخ" موجود نہیں ہے، دراصل حنفیہ نے اس اصولی توازن کو برقرار رکھا ہے جو تصرفات سے متعلق دیگر نصوص سے مستفاد ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب کوئی معاملہ دو عاقل بالغ شخصوں کے درمیان طے پائے اور جس چیز پر معاملہ کیا گیا وہ اس کے لائق بھی ہو تو یہ معاملہ اصولاً جائز ہونا چاہئے، ایک ایسی چیز جو معدوم نہیں موجود ہے، اس پر بائع کی ملکیت بھی ہے صرف قبضہ نہیں ہے یہ محل بیع بن سکتا ہے، اور جب یہ عقد دو اہلوں کے درمیان طے پائے تو اس کو درست ہونا چاہئے، یہ شریعت کے اصول کلی کے تحت سمجھ میں آتا ہے، قرآن نے جو " احل الله البيع " کہہ کر بیع کی اجازت دی ہے اس کے عموم میں ہر طرح کی بیع داخل ہے، اب اگر بیع قبل القبض والی شکل کو احادیث کی بنا پر ہم خاص کر لیں تو خبر واحد سے کتاب اللہ کے عموم میں تخصیص کرنا لازم آئے گا، جو اصول کے مطابق درست نہیں، اخبار آحاد کے ذریعہ قرآن پاک کے عموم اور شریعت کے اصول کلی کو ترک نہیں کیا جا سکتا،۔۔۔

---

[11] -حوالۂ بالا-

احادیث پر عمل کی ممکن صورت یہ ہے کہ ان کو اشیاء منقولہ پر محمول کیا جائے، تاکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے درمیان تطبیق ہو جائے اور کسی کا ترک لازم نہ آئے۔

اور اشیاء منقولہ کو کتاب اللہ کے عموم سے ہم خارج اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بھی شریعت کے ایک اصول کلی سے ثابت ہے، وہ یہ کہ عقد غرر اور ربح مالم یضمن درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے [12]، اور یہ دونوں خرابیاں اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض میں لازم آتی ہیں، اشیاء غیر منقولہ میں ان خرابیوں کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے، کہ عام حالات میں ان کے ضائع ہونے کا امکان نہیں ہے، مثلاً زمینات وغیرہ [13]، حنفیہ کے نزدیک بیع قبل القبض کے عدم جواز کی اصل اساس یہی غرر انفساخ ہے، منقولہ اور غیر منقولہ ایک تفریعی تقسیم ہے، یہ اصالۃً نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی زمین جس کے دریا برد ہو جانے، یا ریت کے طوفان میں دب جانے کا اندیشہ ہو وغیرہ تو ان کی بیع قبل القبض بھی جائز نہیں ہے، گو کہ یہ اشیاء غیر منقولہ میں سے ہے [14]،۔۔۔۔

اسی اصول کی بنیاد پر فقہاء نے قبضہ سے قبل بیع میراث کی اجازت دی ہے اور اس ضمن میں وہ تمام تصرفات شامل ہیں، جن میں غرر انفساخ کا اندیشہ نہ

---

[12] - أخرجه مسلم (3 / 1153 ط الحلبي) .

[13] -فتح القدير ج5 ص 266،البحرالرائق ج 6 ص 116،بدائع الصنائع ج 5 ص 181)

[14] - **حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 5 ص 147 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.**

مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

ہو خواہ ان کا تعلق منقولات سے ہو یا غیر منقولات سے[15]،

اسی روشنی میں فقہاء حنفیہ نے مسئلۂ متعلقہ میں یہ ضابطہ طے کیا، جس کا ذکر فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں موجود ہے:

قال في الفتح الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاك العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلك العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع والأجرة إذا كانت عينا في الإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا لا يجوز بيع شيء من ذلك ولا أن يشرك فيه غيره وما لا ينفسخ بهلاك العوض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر إذا كان عينا وبدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد كل ذلك إذا كان عينا يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات في قول أبي يوسف ثم قال محمد كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض فهو جائز لأنه يكون نائبا عنه ثم يصير قابضا لنفسه كما لو قال أطعم عن كفارتي جاز ويكون الفقير نائبا عنه في القبض ثم قابضا لنفسه ا هـ ملخصا[16]

☆شوافع کے یہاں بھی غرر انفساخ کا تصور موجود ہے، کئی شافعی

---

[15] - البدائع : 181/5 ، وابن عابدين : 225/4

[16] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج **5** ص **148** ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر **1421**هـ – **2000**م.
مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء **8**

مصنفین نے اس کی تصریح کی ہے[17]،

وہ قبضہ سے قبل ضعف ملکیت کے قائل ہیں اور اس کی علت غرر انفساخ عقد کو قرد دیتے ہیں جو مال کے اندیشہ ضیاع پر مبنی ہے[18]، ----

علامہ شیرازیؒ وغیرہ نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، شیرازی نے ایک مستقل باب "ملک مستقر اور غیر مستقر کی بیع" پر قائم کیا ہے، اور ملک غیر مستقر کی بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت غرر انفساخ کو قرار دیا ہے اور ملک مستقر جس میں ملکیت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو مثلاً بدل قرض اور ضمان اتلاف وغیرہ اس کی بیع قبضہ سے قبل درست ہے کیونکہ غرر انفساخ موجود نہیں ہے،

ولان ملكه عليه غير مستقر لانه ربما هلك فانفسخ العقد وذلك غرر من غير حاجة فلم يجز ----- وأما الديون فينظر فيها فإن كان الملك عليها مستقرا كغرامة المتلف وبدل القرض جاز بيعه ممن عليه قبل القبض لان ملكه مستقر عليه فجاز بيعه كالمبيع بعد

---

[17] - الحاوي في فقه الشافعي ج 5 ص 229 المؤلف : أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (المتوفى : 450هـ) الناشر : دار الكتب العلمية الطبعة : الأولى 1414هـ - 1994 عدد الأجزاء : 18 من غير المقدمة والفهارس – المجموع شرح المهذب ج 9 ص 271 المؤلف : أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى : 676هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب [هو شرح النووي لكتاب المهذب للشيرازي (المتوفى : 476 هـ)]

[18] - تحفة المحتاج 4 / 401 ، وشرح المنهاج 3 / 162 . شرح المحلي على المنهاج 2 / 213.

القبض[19]

☆فقہاء حنابلہ بھی غرر انفساخ کی معنویت کو تسلیم کرتے ہیں،فقہ حنبلی کی متعدد کتابوں میں اسی کو مدار حکم بناکر بیع قبل القبض کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کیا گیاہے،مثلاً ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

وكل عوض ملك بعقد ينفسخ بهلاكه قبل القبض لا يجوز التصرف فيه قبل قبضه كالذي ذكرنا والاجرة وبدل الصلح إذا كانا من المكيل أو الموزون أو المعدود.وما لا ينفسخ العقد بهلاكه يجوز التصرف فيه قبل القبض كعوض الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد وأرش الجناية وقيمة المتلف لان المقتضي للتصرف الملك وقد وجد[20]۔

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے[21]۔

---

[19] - المهذب في فقه الإمام الشافعي ج 1ص262 إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي أبو إسحاق مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 2۔

[20] - : الشرح الكبير ج 4 ص 118المؤلف : ابن قدامة المقدسي ، عبد الرحمن بن محمد (المتوفى : 682هـ)

[21] - كشاف القناع عن متن الإقناع ج 9 ص 191 المؤلف : منصور بن يونس بن إدريس البهوتي (المتوفى : 1051هـ)– كتاب الفروع و معه تصحيح الفروع لعلاء الدين علي بن سليمان المرداوي ج 6 ص 283 المؤلف : محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج، أبو عبد الله، شمس الدين المقدسي الراميني ثم الصالحي (المتوفى : 763هـ)المحقق : عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة،الطبعة : الطبعة الأولى 1424 هـ – 2003 مـ --- الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل ج 2 ص111المؤلف : شرف الدين موسى بن أحمد بن موسى أبو النجا الحجاوي (المتوفى : 960هـ)المحقق : عبد اللطيف محمد موسى السبكي الناشر : دار المعرفة بيروت – لبنان مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية -- الإنصاف في معرفة الراجح من

مالکیہ کے یہاں حکم کی علت

البتہ مالکیہ کے یہاں بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت توہم ربا سے تحفظ ہے، یعنی احادیث میں یہ ممانعت سدًاللباب آئی ہے تاکہ ربا کا دروازہ نہ کھل جائے، ورنہ نفس عقد سے ہی مبیع پر مشتری کی ملک قائم ہوجاتی ہے اور ہر شخص اپنی ملکیت میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے[22]۔

مالکیہ کی اس توجیہ کا ماخذ راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تشریح ہے، جوانہوں نے حضرت طاؤسؒ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی:

قال ذاك دراهم بدراهم والطعام مرجأ[23]

یعنی گویا یہ دراہم کی بیع دراہم سے ہوئی، طعام تو ابھی موجود نہیں ہے،

الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل ج 4 ص 338 المؤلف : علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي (المتوفى : 885هـ)الناشر : دار إحياء التراث العربي بيروت ــــ لبنان الطبعة : الطبعة الأولى 1419هـ-- المبدع شرح المقنع ج 4 ص 15المؤلف : إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح، أبو إسحاق، برهان الدين (المتوفى : 884هـ)الناشر : دار عالم الكتب، الرياض،الطبعة : 1423هـ /2003م-

[22] - بداية المجتهد : 144/2 ، والمنتقى : 280/4-

[23] - الجامع الصحيح المختصر ج 2 ص 750 حدیث نمبر : 2025 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء :6 -- الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 5ص7 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ــ بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات -

اس توجیہ کا دوسرا ماخذ وہ واقعہ ہے جو کتب حدیث میں منقول ہے کہ مروان کے زمانے میں وظائف اور تنخواہوں کے لئے چیک کا رواج شروع ہوا، تو لوگ چیک کی خرید وفروخت قبضہ سے قبل کرنے لگے، اس کی اطلاع حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو ہوئی تو وہ سیدھے مروان کے پاس پہونچے اور فرمایا کہ : أتحل الربا یا مروان ؟ مروان !تم ربا کو حلال کرتے ہو؟ ۔۔۔مروان گھبرا گیا، اس نے کہا، نعوذ باللہ !ایسا کیوں کر ممکن ہے ؟حضرت زید بن ثابتؓ نے ساری تفصیل بیان فرمائی، تو مروان نے جاری کردہ چیکوں کے ضبط کرنے کا حکم دیا[24]۔

مالکیہ نے ان دونوں واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قبل القبض کی ممانعت ربا سے تحفظ کے نقطۂ نظر سے کی گئی ہے، یہ حضرات اس کو غرر کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ احتیاط کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، اسی لئے ان کے یہاں ممانعت کا دائرہ کافی محدود ہے۔

حکم کا اصل مقصد

اس تفصیل سے مسئلہ متعلقہ میں ایک طرف ائمۂ مجتہدین کے مزاج ومذاق کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف حکم کی بنیاد اور علت بھی سامنے آتی ہے، کیونکہ احکام ومسائل کی تطبیق اسی روشنی میں ممکن ہے۔

---

[24] - الموطأ بهامش المنتقى : 385/4 – النووي على مسلم : 171/10-

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام ائمہ کے نزدیک بیع قبل القبض والی روایات معلول بالعلۃ ہیں اور مختلف جزئیات میں انہوں نے جواز یا عدم جواز کا جو حکم لگایا ہے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی علت کام کررہی ہے،۔۔۔۔۔۔

اوراس بحث سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں فی نفسہ قبضہ اصل اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اصل اہمیت مشتری تک مال معقود علیہ بغیر کسی رکاوٹ کے محفوظ طور پر پہونچنے کی ہے،اورقبضہ اس کا ایک مضبوط وسیلہ ہے اور حکم ممانعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاملہ میں وہ خرابی (غرر انفساخ یاعلت ربا) پیدانہ ہو جس سے بچنے کے لئے یہ حکم صادر ہوا ہے۔

بیع قبل القبض بیع فاسد ہے

یہاں ایک اہم ترین بحث یہ ہے کہ فقہاء جن صورتوں میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں،یہ بیع ممنوع کی تین قسموں (بیع باطل،بیع فاسد،اور بیع مکروہ)میں سے کس قسم میں داخل ہے؟

اس کا جواب اصولی مباحث اور تصریحات فقہاء کی روشنی میں یہ ہے کہ بیع قبل القبض بیع فاسد کے ذیل میں آتی ہے۔۔۔اس لئے کہ بیع باطل کی تعریف یہ کی گئی ہے،کہ جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے ناجائز ہو،اور بیع فاسد کی تعریف کی گئی ہے کہ جو اپنے اصل کے اعتبار سے جائز ہو مگر وصف کے اعتبار سے جائزنہ ہو،اور بیع مکروہ کہتے ہیں جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے درست

ہو، مگر کسی خارجی نقص کی بناپر اس میں کراہت آگئی ہو، جیسے جمعہ کی اذان کے وقت بیع وشرا کرنا[25]،

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بیع قبل القبض اپنی اصل کے لحاظ سے جائز ہے، کیونکہ یہ معاملہ ایک قابل بیع چیز پر دو عاقل بالغ مسلمانوں کے درمیان طے ہوا ہے اور مبادلۃ المال بالمال کی حقیقت بھی پائی جاتی ہے، اور رکن بیع ایجاب وقبول بھی درست ہے اس لئے یہ اصل کے لحاظ سے غلط نہیں ہے، البتہ غیر مقبوض یا غیر مقدور التسلیم یا اندیشۂ غرر ہونا یہ وصف کا نقصان ہے، جس کی بناپر اس کو بیع فاسد کہہ سکتے ہیں[26]، علامہ شامیؒ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، ----بعض کتابوں مثلاً الجوہرۃ النیرۃ وغیرہ میں اس کو بیع باطل کہدیا گیا ہے، تو حصکفیؒ اور شامیؒ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ اطلاق لغوی معنیٰ میں ہے اصطلاحی معنیٰ میں نہیں:

قوله (قلت الخ) استدراك على قول الجوهرة فإنه باطل قوله (ونفي الصحة) أي الواقع في المتن يحتملهما أي يحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد أفاده ط۔[27]

---

[25] -ردالمحتار لابن عابدين ج 4 ص 111 -

[26] -الفقه على المذاهب الاربعة ج 2 ص 233-

[27] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج **5** ص **148** ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر **1421**هـ – **2000**م.
مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء **8**

قبضہ کی حقیقت اور مفہوم

(ا)اس موضوع کی ایک خصوصی بحث قبضہ کی نوعیت اور حقیقت سے متعلق ہے:

فقہاء نے قبضہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے،(ا)قبضۂ حقیقی (۲)قبضۂ حکمی

قبضۂ حقیقی اس قبضہ کو کہتے ہیں جس میں شے انسان کے واقعی تصرف میں آجائے، مثلاً کتاب خریدی تو اپنے ہاتھ میں لے لے، کوئی موٹر خریدی تو اس پر سوار ہو جائے، جانور خریدا تو اس کی باگ ڈور پکڑ لے وغیرہ۔

اور قبضۂ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے سامان اس پوزیشن میں ہو جائے کہ وہ چاہے تو اسے بآسانی اپنے تصرف واستعمال میں لا سکتا ہو، مثلاً کسی نے کپڑا خریدا اور بائع نے کپڑا اتنی دور پر رکھدیا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کو بے تکلف لے سکتا ہو تو یہ قبضۂ حکمی ہے[28]۔

قبضۂ حکمی کی مختلف شکلیں کتب فقہ میں ملتی ہیں، فقہاء نے متعدد امثال وعلامات ذکر کئے ہیں، جن کے پیش نظر کسی چیز پر قبضۂ حکمی کا حکم لگایا جاسکتا ہے، مثلاً:

کمرہ میں اناج رکھا ہوا ہے تو اس پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب کہ اس کمرہ کی چابی مشتری کو مل جائے اور وہ اسے بے تکلف کھول سکے، کسی مکان

---

[28] بدائع الصنائع ج 5 ص 247-

کی فروخت میں مکان پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا،جب کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہو جائے،چراگاہ کے جانوروں پر قبضہ اس وقت متصور ہو گا جب کہ وہ نگاہ کے سامنے ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، کسی مکان میں بند گھوڑے اور پرندے پر قبضہ اس وقت ہو گا جب کہ مشتری بغیر کسی کی مدد کے ان کو پکڑ سکے،وغیرہ[29]۔

یہ مثالیں یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ قبضہ کی کوئی ایک صورت معین نہیں ہے،بلکہ مبیع کے حال کے لحاظ سے وہ تبدیل ہوتی رہتی ہے،۔۔۔اس کے باوجود فقہاء نے چند علامتی افعال واحوال کا ذکر کیا ہے،جن سے قبضۂ حکمی کا بڑی حد تک احاطہ ہو جاتا ہے،علامہ کاسانیؒ نے تو مستقل باب قائم کیا ہے:

"بیان مایصیر بہ المشتری قابضاً للمبیع من التصرفات ومالایصیر بہ قابضاً"

ان افعال واحوال کا ہمارے سامنے رہنا ضروری ہے تاکہ ان کی روشنی میں آج کے حالات وظروف میں کسی چیز کے قبضہ کے بارے میں ہم فیصلہ کر سکیں،وہ افعال واحوال بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

(ا)ان میں سب سے اہم اور معروف چیز تخلیہ ہے، تخلیہ کو تقریباً تمام ہی فقہاء نے قبضۂ حکمی قرار دیا ہے، تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ہونے کے بعد بائع مبیع کو مشتری کے لئے چھوڑدے،تو یہ قبضہ متصور ہو گا،بشرطیکہ تین باتیں

---

[29] ۔ردالمحتار ج 4 ص 48-

پائی جائیں:

(۱)پہلی بات یہ ہے کہ بائع کہدے کہ یہ سامان میں نے تمہارے لئے چھوڑدیا،اور مشتری کہے کہ میں نے قبضہ کرلیا،اگر زبان سے نہ کہے،لیکن قرائن سے اجازت معلوم ہو تو بھی کافی ہے[30]،

(۲)دوسری بات یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو بایں طور کہ وہ اس کو بآسانی حاصل کرسکتا ہو۔

(۳)تیسری بات یہ ہے کہ مبیع کے ساتھ دوسرے کا حق اس طور پر وابستہ نہ ہو کہ یہ اس کے تابع ہو،لیکن اگر حق غیر کی وابستگی اس طور پر ہو کہ مبیع اصل ہو اور حق غیر تابع،مثلاً گیہوں بائع کے تھیلوں میں رکھے ہوئے ہوں،تو ایسی صورت میں مضائقہ نہیں[31]۔

(۲)مشتری یا بائع کی طرف سے ایسا فعل سرزد ہوجائے جس سے پتہ چلے کہ بائع کی طرف سے مبیع پر تصرف کرنے کی اجازت ہے،تو اسے بھی حکماً قبضہ قرار دیا جائے گا،مثلاً: مبیع ابھی بائع کے قبضہ میں ہو اور مشتری اس کو ضائع کردے،یا اس کے کسی عمل سے مبیع میں حقیقتاً یا حکماً کوئی نقص یا عیب پیدا ہوجائے،اور بائع اس پر کوئی اعتراض نہ کرے،تو یہ مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا

---

[30] - الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية لما في البحر(حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 4 ص 562 ابن عابدين.
الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[31] -ردالمحتار ج 4 ص 48،الاشباہ والنظائر ج 2 ص 278-279 -

، حقیقی نقص کی مثال جیسے جانور خرید ا تھا اس کا پاؤں کاٹ دیا یا سر یا آنکھ کو زخمی کر دیا، اور حکما نقص کی مثال جیسے عہد قدیم میں باندی تھی اس کو ام ولد بنادیا، یا غلام تھا اس کو مدبر بنادیا، یعنی ام ولد یا مدبر ہونے کا اقرار کر لیا تو اس سے غلام یا باندی میں نقص پیدا ہو گیا کہ اب اس کو فروخت نہیں کر سکتے، کسی کو ہبہ یا ہدیہ میں نہیں دے سکتے وغیرہ[32]،

(۳) یا یہ کہ مبیع کو نقصان پہونچانے والے افعال مشتری کی اجازت وحکم سے خود بائع انجام دے، تو یہ بھی مشتری ہی کی طرف حکماً منسوب ہو گا، اور اس صورت میں بھی مشتری کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا، لیکن اگر بائع نے مشتری کے کہنے پر ایسے افعال انجام دیئے جو مبیع کو نقصان نہ پہونچائے، مثلاً مشتری کے کہنے پر اس نے مبیع کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا، وغیرہ تو اس صورت میں مشتری کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ یہ تصرفات خود بائع ہی کی طرف منسوب ہونگے، اور وہی تصرف کرنے والا قرار پائے گا[33]۔

(۴) مشتری کی طرف سے مبیع کے لئے ایسی حرکت ظاہر ہو جس سے اندازہ ہو کہ وہ اس معاملہ پر پوری طرح راضی ہے، اور اسی بناپر وہ اس کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے، مثلاً معاملہ ہونے کے بعد مشتری مبیع کسی کو عاریت، ہبہ یا ودیعت کے طور پر دے دے، یا کوئی اور ایسا تصرف کر دے جس کے وجود وانعقاد کے لئے قبضہ ضروری ہے، تو علامتی طور پر یہ مشتری کا قبضہ متصور ہو گا

---

[32] بدائع الصنائع ج 5 ص 246 ،ردالمحتار ج 4 ص 47 ۔
[33] بدائع الصنائع ج 5 ص 246 ،ردالمحتار ج 4 ص 47 ۔

،بشرطیکہ اس نے یہ معاملات خود بائع سے نہ کئے ہوں ،اس لئے دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے کی صورت میں وہ دوسرا شخص قبضہ کے باب میں مشتری کا نائب متصور ہو گا، کہ پہلے وہ مشتری کی طرف سے قبضہ کرے گا پھر اپنی طرف سے ،اس کے برخلاف اگر مشتری یہ معاملہ خود بائع سے کرے تو مبیع پر قبضہ کے باب میں بائع کو مشتری کا نائب قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اس کا قبضہ مبیع پر بطور اصل کے قائم ہے ،اس لئے اس کو نائب کی حیثیت سے قابض نہیں قرار دیا جاسکتا ،اسی طرح اگر مشتری مبیع میں ایسا تصرف کرے جس کا انعقاد قبضہ پر موقوف نہیں ہے مثلاً کسی کے ہاتھ ہبہ کردے ،تو اس سے بھی مشتری کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ جب قبضہ اس کے لئے لازم نہیں ہے تو مشتری ثانی کو مشتری اول کی طرف سے بطور نیابت قابض ماننے کی ضرورت نہیں ہے[34]،

(۵)اگر مبیع مشتری کے ضمان میں آجائے اور قانونی طور پر وہ اس کی ضمانت قبول کرلے ،تو اگرچیکہ حساًاس کا قبضہ اس پر نہ ہو مگر حکماًاس کا قبضہ سمجھا جائے گا،اور اگر حساًقبضہ ہو مگر قبضۂ ضمان نہ ہو،بلکہ مثال کے طور پر قبضۂ امانت ہو،تو حساًقبضہ کے باوجود وہ قابض نہیں سمجھا جائے گا[35]۔

اس تفصیل سے ایک طرف قبضہ کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک نہیں ہے ،بلکہ خود تمام اشیاء غیر منقولہ میں بھی قبضہ کی نوعیت

---

[34] ۔بدائع الصنائع ج 5 ص 246۔
[35] ۔فتح القدیر ج 5 ص 266 ،الاشباہ والنظائر ج 2 ص 275۔

کا یکساں ہونا ضروری نہیں ہے، مثلاً مکان اور زمین دونوں اشیاء غیر منقولہ میں سے ہیں ، مگر کتب فقہ میں دونوں کے قبضہ کی نوعیت الگ بتائی گئی ہے : زمین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے جنگل میں زمین فروخت کی اور وہ زمین اس کے حوالے کر دی، تو یہ قبضہ اس وقت مکمل ہو گا، جب کہ مقام عقد سے وہ زمین قریب ہو، جس کو وہ دیکھ اور سمجھ سکتا ہو، ورنہ قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا[36]۔

اور مکان کے بارے میں فقہی جزئیہ یہ ملتا ہے کہ مکان پر قبضہ اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ اس کی چابی اس کے حوالے کر دے، اور مشتری اس مکان کو بند کرنے پر قادر ہو جائے، ورنہ قبضہ نہیں ہو گا[37]،

اسی طرح تخلیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو ، یہ اشیاء منقولہ کے لئے ہے ، اشیاء غیر منقولہ میں سامنے کے بجائے قریب ہونا کافی ہے[38]،

غرض قبضہ کا کوئی مقررہ معیار شریعت میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کو ہر چیز کی اپنی معنویت اور عرفی تصورات ورجحانات پر چھوڑ دیا گیا ہے، کسی بھی چیز کا قبضہ اس کے اپنے ظروف اور عرف عادت کے مطابق طے کیا جائے گا، ایک شے یا ایک دور یا ایک عرف کا معیار قبضہ دوسری شے یا دور یا عرف کے لئے کافی نہیں ہو گا، اور یہ رائے اکثر مکاتب فقہ کے علماء و مصنفین کے یہاں ملتی ہے، بطور نمونہ چند حوالے دیکھئے :

---

36 - الاشباہ والنظائر ج 2 ص 278-

37 -فتاویٰ ھندیہ ج 3 ص 16 -

38 -ردالمحتار ج 4 ص 47 -

فتاویٰ شامی میں ہے:

★لأن قبض كل شيء بحسبه[39]

★فإن حرز كل شيء بحسبه[40]

★مطلب في شروط التخلية وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع[41]

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:

وَلَا يُشْتَرَطُ الْقَبْضُ بِالْبَرَاجِمِ ؛ لِأَنَّ مَعْنَى الْقَبْضِ هُوَ التَّمْكِينُ ، وَالتَّخَلِّي ، وَارْتِفَاعُ الْمَوَانِعِ عُرْفًا وَعَادَةً حَقِيقَةً[42]،

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

☆ فالقبض مرجعه إلى عرف الناس حيث لم يكن له حد في اللغة ولا في الشرع------ وتخلية كل شيء بحسبه[43]

★والأسماء تعرف حدودها تارة بالشرع كالصلاة والزكاة

---

39 - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 8 ص 442 ،ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8-

40 -حوالۂ بالا ج 8 ص 336-

41 -حوالۂ بالا ج 4 ص 562 -

42 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 11 ص 434 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـدار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م-

43 - مجموع الفتاوى : 30/ 275 – 276 .

والصيام والحج . . . وتارة باللغة كالشمس والقمر والبر والبحر . . . وتارة بالعرف كالقبض والتفريق . ا هـ[44]

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

وقبض كل شيء بحسبه . . . وقال أبو حنيفة : التخلية في ذلك قبض----- ولأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق . ا هـ[45]

المبدع شرح المقنع میں ہے:

إذ القبض مطلق في الشرع فيرجع فيه إلى العرف كالحرز والتفرق[46]

علامہ بہوتیؒ تحریر فرماتے ہیں:

لِأَنَّ الْقَبْضَ مُطْلَقٌ فِي الشَّرْعِ ، فَيُرْجَعُ فِيهِ إلَى الْعُرْفِ كَالْحِرْزِ وَالتَّفَرُّقِ ، وَالْعُرْفُ فِي ذَلِكَ مَا سَبَقَ[47]

---

[44] - مجموع الفتاوى : ج 29 ص 448 .

[45] - الشرح الكبير ج 4 ص 120 المؤلف : ابن قدامة المقدسي ، عبد الرحمن بن محمد (المتوفى : 682هـ.

[46] - المبدع شرح المقنع ج 4 ص 17 المؤلف : إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح، أبو إسحاق، برهان الدين (المتوفى : 884هـ)الناشر : دار عالم الكتب، الرياض الطبعة : 1423هـ /2003م.

[47] - شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولي النهى لشرح المنتهى ج 2 ص 62 منصور بن يونس بن إدريس البهوتي سنة الولادة / سنة الوفاة 1051 الناشر عالم الكتب سنة النشر 1996 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 3 .

مطالب اولی النہیٰ میں ہے:

لِأَنَّ الْقَبْضَ مُطْلَقٌ فِي الشَّرْعِ ، فَيُرْجَعُ فِيهِ إلَى الْعُرْفِ ، كَالْحِرْزِ وَالتَّفَرُّقِ ، وَالْعُرْفُ فِي ذَلِكَ مَا سَبَقَ[48].

تلاش کرنے پر اور بھی عبارتیں مل سکتی ہیں، ان کی روشنی میں محسوس ہوتا ہے کہ اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ:

☆قبضہ کے لئے ہر شے کا اپنا الگ معیار ہے۔

☆اور اس میں عرف کا بڑا دخل ہے، عرف میں جس قسم کے استیلاء یا تمکن کو قبضہ سمجھا جاتا ہو وہی قبضہ معتبر ہوگا۔۔۔ ظاہر ہے کہ ہر دور کا عرف مختلف ہو سکتا ہے۔

زمین کی رجسٹری کا مسئلہ

(۴)اس کی ایک مثال اشیاء غیر منقولہ میں زمین کی خرید وفروخت کا مسئلہ ہے، فقہاء نے اس کے لئے تخلیہ کو قبضۂ حکمی قرار دیا ہے، بشرطیکہ زمین اتنی دوری پر ہو کہ وہ اس کو دیکھ اور سمجھ سکتا ہو، اس میں حسی قبضہ ضروری نہیں ہے، لیکن عصر جدید میں کئی دہائی قبل زمینوں پر قبضہ کی ایک نئی صورت متعارف ہوئی، وہ ہے حکومت کے رجسٹری آفس میں اس کو رجسٹرڈ کروانا، آج کے دور میں اگر زمینوں کی فروخت کے بعد اس کی رجسٹری نہیں کرائی گئی تو گوکہ

---

[48] - مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهى ج 3 ص 153 مصطفى السيوطي الرحيباني سنة الولادة 1165هـ/ سنة الوفاة 1243هـ الناشر المكتب الإسلامي سنة النشر 1961م مكان النشر دمشق عدد الأجزاء 6 .

مشتری اس پر حساً قبضہ بھی کر لے اس کا قبضہ غیر معتبر اور غیر قانونی قرار دیا جاتا ہے، آج زمینوں کے لئے قبضۂ حسی سے زیادہ قبضۂ قانونی کی اہمیت ہے، ہمارے ملک میں حکومت کے نظام کے مطابق زمین کی منتقلی کو دو مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے، باہم معاملہ مکمل ہونے کے بعد رجسٹری آفس میں جا کر اس کو رجسٹرڈ کرانا پڑتا ہے، اور زمین کی مالیت کے حساب سے اس کی مقررہ فیس جمع کرنی پڑتی ہے ،جب یہ مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے اور مشتری کو قبالہ مل جاتا ہے تو حکومت ہی کے ایک دوسرے مقامی آفس میں قبالہ کی روشنی میں اس کو داخل خارج کرانا پڑتا ہے، اور اس کی بھی مقررہ فیس جمع کرنی پڑتی ہے، داخل خارج کا مطلب یہ ہے کہ زمین مقر یعنی بائع کی ملکیت سے خارج کر کے مقر علیہ یعنی مشتری کی ملکیت میں داخل کر دی گئی، داخل خارج کے بعد ہی ہمارے یہاں زمین پر قانونی قبضہ کا عمل مکمل ہوتا ہے، اور پھر بلا رکاوٹ مشتری اپنی چیز حاصل کر سکتا ہے اور اگر کوئی رکاوٹ پیش آتی ہے تو حکومت اس کو دور کرنے کے لئے جوابدہ ہے ،اگر رجسٹری کے بعد خود بائع بھی اپنا عملی تسلط زمین پر سے نہ ہٹائے تو اس کو غاصبانہ قبضہ تصور کیا جاتا ہے، نہ کہ قبضۂ اصالت،۔۔۔۔

آج کے دور میں زمین کی خرید و فروخت کے وقت اس مروج قانونی قبضہ کی رعایت ضروری ہے ،زمین کی رجسٹری اور اس کے ریکارڈ کا نظام تو ہندوستان کے مسلم عہد حکومت ہی میں شروع ہو گیا تھا ،لیکن اس کو خرید وفروخت یا قبضہ کے لئے لازم تصور نہیں کیا جاتا تھا، پہلے سارے معاملات باہم

زبانی طے ہوتے تھے اور اس کے کچھ گواہان ہوتے تھے ،اگر کسی کی ملکیت میں کوئی زمین بہت دنوں تک رہ گئی تو حکومت کو مالگذاری وغیرہ وصول کرنے کے لئے اس کے ریکارڈ کی ضرورت ہوتی تھی اور اس شخص کا نام درج کرلیا جاتا تھا ،۔۔۔لیکن اب دور بالکل مختلف ہوچکا ہے ،عرف بدل چکا ہے ، آج کے دور میں زمین کی خرید وفروخت رجسٹری آفس میں ہوتی ہے اور قبضہ داخل خارج آفس میں ،اور بعض ترقی یافتہ علاقوں میں دونوں عمل ساتھ ساتھ ہی ہوجاتے ہیں ،اور اب سننے میں آرہاہے کہ انٹرنیٹ اور جدید مواصلاتی سہولتوں کی بناپر حکومت کئی برسوں سے اراضی کے لئے ایسے نظام منتقلی پر غور کررہی ہے جس کے مطابق ہر زمیندار کو پاس بک فراہم کیا جائے گا جس میں اس کی مملوکہ جملہ زمینات کی تفصیلات موجود ہوں گی،اور خرید وفروخت کے وقت اسی لمحہ (آن لائن) بیع کردہ زمین بائع کے اکاؤنٹ سے نکل کر مشتری کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوجائے گی ،جس طرح کہ بینکوں میں نقود کے تبادلے کانظام رائج ہے،۔۔۔۔۔

اس نئے عرف اور نئے قانونی نظام میں بائع اور مشتری دونوں کے حقوق کا استحکام نسبتاً پہلے سے زیادہ ہے اور اسی لئے زمینی معاملات میں اس کو قانونی طور پر لازم تصور کیا جاتا ہے،اس کے بغیر نہ عقد معتبر ہوتا ہے اور نہ قبضہ اور چونکہ حکومتی قوانین کم ازکم عرف ،عادت اور تعامل کے درجہ کی معنویت ضرور رکھتے ہیں ،اس لئے ازروئے شرع بھی زمینی خرید وفروخت میں اس نئے عرف کا اعتبار ہوگا اور جائز حدود میں اس سے استفادہ کیا جائے گا،

زمین کی رجسٹری قبضۂ قانونی (حکمی) ہے

اس نئے عرف اور نئے قانونی نظام کے تحت اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین کسی کو فروخت یا ہبہ کرے، اور اس کی رجسٹری بھی کرادے، اور مشتری یا موہوب لہ قبالہ کی بنیاد پر داخل خارج کی رسید کٹوالے تو یہ قانونی قبضہ تصور کیا جائے گا اور قبضۂ عملی کی طرف سے کافی ہو گا، یعنی بیع وہبہ کا عمل مکمل ہو جائے گا اور محض زمین کے کاغذات کی بنیاد پر مشتری یا موہوب لہ کے لئے اس زمین کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہو گا، اس کو بیع قبل القبض یا ہبہ قبل القبض قرار نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ زمین کے معاملات میں فقہاء نے تخلیہ کو قبضۂ حکمی قرار دیا ہے، اور تخلیہ نام ہے رفع موانع اور تحصیل قدرت کا اور رجسٹری میں قدیم تخلیہ کے بالمقابل یہ دونوں باتیں زیادہ بہتر طور پر حاصل ہوتی ہیں، علامہ کاسانیؒ کی تشریحات پیش نظر رہیں تو یہ بات زیادہ بہتر طور پر سمجھ میں آئے گی:

ولنا"أن التسليم في اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا يقال: سلم فلان لفلان أي خلص له، وقال الله تعالى {وَرَجُلاً سَلَماً لِرَجُلٍ} أي سالما خالصا لا يشركه فيه أحد فتسليم المبيع إلى المشتري هو جعل المبيع سالما للمشتري أي: خالصا له بحيث لا ينازعه فيه غيره، وهذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع، والتخلي قبضا من المشتري، وكذا هذا في تسليم الثمن إلى البائع ؛ لأن التسليم واجب،ومن عليه الواجب لا بد وأن يكون له

سبيل الخروج عن عهدة ما وجب عليه، والذي في وسعه هو التخلية ورفع الموانع، فأماالإقباض فليس في وسعه ؛ لأن القبض بالبراجم فعل اختياري للقابض[49]،

علامہ کاسانیؒ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ بائع کی ذمہ داری اتنی ہے کہ وہ معقود علیہ کو مشتری کے لئے خالص کر دے، بایں طور کہ اس میں کسی دوسرے کا حق باقی نہ رہے اور اس میں کوئی مزاحمت نہ کرے، اسی کا نام قبضہ دینا ہے، اس سے زیادہ کا وہ مکلف نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے بعد آگے بڑھ کر قبضہ کرنا اور عملی اقدامات کرنا یہ مشتری کا کام ہے، بائع کے اختیار میں نہیں ہے کہ مشتری کو زبردستی اس پر مسلط کرے، یعنی تخلیہ کے لئے مشتری کا مبیع پر عملی قبضہ کرانا ضروری نہیں ہے، اور اس کے عملی یا حسی قبضہ کرنے سے قبل بھی بائع کی طرف سے قبضہ مکمل ہو جاتا ہے، اب اگلا مرحلہ جو مشتری سے متعلق ہے عملی قبضہ کے حصول میں کوئی عملی مزاحمت یا رکاوٹ پیش آتی ہے تو یہ قبضۂ حکمی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ غیر قانونی، غیر شرعی اور غاصبانہ رکاوٹ ہے، جس کو سماجی یا سرکاری طاقت کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے، اس خارجی رکاوٹ سے حکم شرعی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس قسم کی خارجی رکاوٹیں انسان کی ذاتی املاک کے ساتھ بھی پیش آسکتی ہیں۔

---

[49] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 12 ص 223 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـدار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

ماضی قریب میں عالم اسلام کے ممتاز فقیہ اور معروف عرب عالم دین اور مصنف شیخ مصطفیٰ الزرقاءؒ کی بھی یہی رائے ہے، انہوں نے اپنی مشہور کتاب "المدخل الفقہی العام" میں اس کو پوری قوت کے ساتھ مدلل طور پر پیش کیا ہے، انہوں نے اس خیال کی وکالت کی ہے کہ جن ملکوں میں رجسٹری کا نظام ہے وہاں اس نظام سے استفادہ کیا جانا چاہئے، اور اس کو قبضۂ عملی کا قائم مقام تصور کرنا چاہئے[50]۔

لیکن عصر حاضر میں عالم اسلام کے ممتاز صاحب نظر عالم دین، معروف محدث وفقیہ اوراسلامی معاشیات کے خصوصی محقق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو اس سے اختلاف ہے، انہوں نے اپنی تازہ ترین کتاب "فقہ البیوع" میں شیخ مصطفےٰ الزرقاء کی اس رائے کے حوالے سے دو اعتراضات کئے ہیں، میں حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی علمی اور فقہی بصیرت کا عہد طالب علمی ہی سے معترف بلکہ معتقد رہاہوں، اور ان کی علمی تحریرات میرے لئے سند کا درجہ رکھتی ہیں، میں نے ان کی کتابوں سے کافی اور مسلسل استفادہ کیا ہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے، آج کے دور میں پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، خاص طور پر اسلامی اقتصادیات پر ان کی جو گہری نظر ہے کہ شاید وباید۔۔۔ ادب واحترام اور عقیدت وعظمت کے مکمل احساس واستحضار کے باوجود شیخ زرقاء کے بالمقابل حضرت مفتی صاحب موصوف

---

[50] -المدخل الفقہی العام،الباب التاسع :نظریۃ العرف ج 2 ص 954 ،706 (حاشیۃ) ط دارالقلم -

کا نقطۂ نظر مجھ جیسے بہت چھوٹے طالب علم کے لئے ناقابل فہم ہے، میں ذیل میں وہ دونوں اعتراضات اوران پر اپنی طالب علمانہ معروضات پیش کرتا ہوں :

اس نظریہ پر دو اعتراضات کا جائزہ

(۱)ایک اعتراض یہ ہے کہ قبضہ کے معتبر ہونے کے لئے مبیع کا مشتری کے ضمان میں آنا ضروری ہے ،اگر کسی نے اپنی مملوکہ عمارت فروخت کی اور رجسٹری بھی مکمل کرادی، لیکن قبضہ نہیں ہٹایا،اور عملاً مشتری کا قبضہ نہیں ہوا ،اور وہ مکان ضائع ہوگیا تو یہ مشتری کا نقصان ہے یا بائع کا؟ ظاہر ہے کہ یہ مشتری کا نقصان نہیں ہے ،اس کا مطلب ہے کہ مکان ابھی مشتری کے ضمان میں نہیں آیا تھا[51]،

لیکن میرے حقیر خیال میں یہ اعتراض کئی وجوہ سے کمزور ہے:

☆پہلی بات یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث زمین کی رجسٹری کا ہے،اور زمین عام حالات میں قابل ہلاکت نہیں ہے ،اور یہ محض امکانی تصور ہے جو فقہ تقدیری کی بنیاد پر ہمارے یہاں آیا ہے کہ زمین بھی بعض نادر حالات میں ہلاک ہوسکتی ہے ،فقہاء نے پہلے ہی اس مسئلہ کو واضح کردیا ہے، دیکھئے علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں:

وَهَذَا لِأَنَّ هَلَاكَ الْعَقَارِ نَادِرٌ وَلَا يُمْكِنُ تَعْيِيبُهُ لِيَصِيرَ هَالِكًا حُكْمًا حتى لو تُصُوِّرَ هَلَاكُهُ قبل الْقَبْضِ قالوا : لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَذَلِكَ

---

[51] - فقہ البیوع علی المذاهب الاربعۃ للشیخ العلام الفقیہ المفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ ج 1 ص 403 ط کتب خانہ نعیمیہ دیوبند 1436ھ مطابق 2015ء-

بِأَنْ كان على شَطِّ النَّهْرِ وَنَحْوِهِ وما رَوَاهُ مَعْلُولٌ بِغَرَرِ انْفِسَاخِ الْعَقْدِ بِالْهَلَاكِ قبل الْقَبْضِ وَذَلِكَ لَا يُتَصَوَّرُ فيه إلَّا نَادِرًا وَالنَّادِرُ لَا حُكْمَ له[52]

بلکہ دیگر اشیاء غیر منقولہ بھی عام حالات میں ناقابل ضیاع مانے گئے ہیں، بلڈنگیں بنتی ہیں تو انجینیروں کے مطابق ان کی تخمینی عمریں مقرر کی جاتی ہے اور اکثر یہ مدتیں پوری بھی ہوتی ہیں، کبھی ہنگامی حالات ہی میں ان کے ضائع ہونے کا حادثہ پیش آتا ہے، اسی لئے فقہاء احناف نے اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض کی اجازت دی ہے اور علت یہی بیان کی ہے کہ عام حالات میں ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اس لئے غرر انفساخ کا بھی خطرہ نہیں ہے۔۔۔۔

سوال یہ ہے کہ جب فقہاء عام حالات میں زمین اور مکان سمیت تمام اشیاء غیر منقولہ کو ناقابل ہلاکت قرار دیتے ہیں، تو پھر تصریحات فقہاء کے برخلاف محض ممکنہ نادر صورت حال پر اعتراض کی بنیاد رکھنا کہاں تک درست ہے؟ جب کہ نادر کو مدار حکم نہیں بنایا جاسکتا (وَالنَّادِرُ لَا حُكْمَ له[53])

☆ دوسری بات یہ ہے کہ مکان گوکہ اشیاء غیر منقولہ میں شامل ہے

---

[52]- تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 4 ص 80 فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3

[53]- تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 4 ص 80 فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3

، لیکن زمین سے اس کا حکم مختلف ہے، قدیم کتابوں میں بھی مکان اور زمین کے تخلیہ میں فرق کیا گیا ہے، مثلاً مکان کا تخلیہ اس وقت معتبر ہو گا جب کہ مکان کو بند کرنے پر قدرت حاصل ہو جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ مکان اسی گاؤں یا شہر میں ہو جہاں معاملہ ہو رہا ہے، جب کہ زمین میں قریب و بعید کا فرق کیا گیا ہے

وهي أن تكون بحال يقدر على إغلاقها وإلا فهي بعيدة ، وفي جمع النوازل دفع المفتاح في بيع الدار تسليم إذا تهيأ له فتحه بلا كلفة -------- والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض ، أما إذا كان بعيدا لا يتصور القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض[54]

اس لحاظ سے آج کے حالات میں مکان کے تخلیہ کا کوئی الگ معیار مقرر کیا جا سکتا ہے، لیکن مکان کے کمزور معیار سے زمین کے معیار پر کیا اثر پڑے گا؟ زمین تو عام حالات میں نا قابل ہلاکت چیز ہے۔

☆ تیسری بات یہ ہے مکان یا فلیٹ کی رجسٹری کے بعد بائع مکان خالی نہیں کرتا، اگر اس کی بنیاد پہلے سے طے شدہ کسی قانونی عقد پر ہے جس کی مجبوری سے وہ مکان خالی نہیں کر رہا ہے، مثلاً فقہاء نے کرایہ کے مکان کی مثال دی ہے ، مکان پہلے سے کرایہ پر ہے اور مکان فروخت کر دیا گیا، ظاہر ہے کہ مدت اجارہ

---

[54] - رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار" ج **18** ص **413** المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : **1252**هـ)

مکمل ہونے سے قبل کرایہ دار کو مکان خالی کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا[55]،اس طرح ایک جائز اور قانونی عمل کی مجبوری کی بناپر مشتری کا مکان پر عملی قبضہ نہیں ہو پارہا ہے تو یہ قبضہ کے لئے معتبر قانونی مانع بن سکتا ہے اس لئے اس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر نقصان ہو گا تو بائع کا نقصان مانا جائے گا،لیکن اگر عقد بیع کی رجسٹری کے بالمقابل کوئی جائز قانونی معاملہ نہ ہو اور پھر بھی بائع فروخت شدہ مکان خلاف معاملہ مشتری کے حوالے نہ کرے،جب کہ مشتری اس کا متقاضی ہو تو وہ غاصب تصور کیا جائے گا اور ہلاک ہونے کی صورت اگر قیمت وصول کر چکا ہے تو اس کو دوبارہ بطور ضمان حسب معاملہ مکان بنوا کر دینا واجب ہو گا،نہ کہ اس لئے کہ بائع کا مال ہلاک ہوا بلکہ بائع نے مشتری کے مکان پر غاصبانہ تصرف روا رکھا۔۔۔حکومتی قانون کے اعتبار سے زمین یا فلیٹ کی رجسٹری کے بعد بائع اجنبی کے حکم میں ہو جاتا ہے،اسی لئے فلیٹ کے ضائع ہونے کی صورت میں یہ مشتری کا نقصان تصور کیا جاتا ہے ،اور جب تک کہ یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ اس نقصان کے پیچھے خود بائع کا ہاتھ تھا اس وقت تک ملکی قانون بھی اس سے کچھ واپس نہیں دلا سکتا،۔۔۔

البتہ اگر مکان پر بائع کے علاوہ کسی تیسرے غیر متعلق شخص کا قبضہ ہو ،جس سے بائع اپنی بے زاری اور لا تعلقی کا اظہار کرتا ہو تو چونکہ یہ رکاوٹ بائع کی

---

[55] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 4 ص 562 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.
مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

جانب سے نہیں ہے، اور وہ اس پر راضی بھی نہیں ہے، اس لئے بائع کی طرف سے تخلیہ کا عمل مکمل ہوچکا ہے، اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانونی طور پر اس مکان کو حاصل کرلے، زیادہ سے زیادہ اس کو (مال معیب) عیب دار مال قرار دیا جاسکتا ہے، اور کبھی عیب کی بنا پر کم قیمت پر مال مل جاتا ہے اس لئے مشتری اس پر راضی بھی ہو گا، اس لئے نقصان کی صورت میں مشتری کا نقصان مانا جائے گا۔

☆ایک بات یہ ہے کہ زمین کی رجسٹری کے بعد قانون کی نگاہ میں بلاشبہ زمین مشتری کے ضمان میں چلی جاتی ہے، اور بائع اجنبی کی طرح ہو جاتا ہے، تبدل ضمان کے معاملے میں عرف کو معیار بنانے میں کیا مضائقہ ہے؟ اگر عرف یا ملکی قانون کسی مخصوص صورت کو تبدیلی ضمان کے لئے کافی تصور کرتا ہے تو قانون شریعت کی کس شق کی بنا پر اس کو مسترد کیا جاسکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ بعض فقہی جزئیات میں ضمان کو قبضہ کی بعض مخصوص صورتوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ جزئیات بھی اپنے دور کے عرف پر مبنی ہیں، لیکن بدلتے ہوئے عرف میں ان جزئیات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

☆ اور آخری بات یہ ہے کہ عقود و تصرفات میں قبضہ کا مقصد جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ، اور حنابلہ) کے نزدیک عام حالات میں غرر انفساخ سے تحفظ ہے، اور یہ مقصد زیادہ بہتر طور پر رجسٹری سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے رجسٹری کو اصطلاحی قبضہ کا متبادل مان لینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

(۲)حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کادوسرا اعتراض یہ ہے کہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق کوئی چیز محض کسی کے نام پر کر دینے سے اس کی ملکیت میں نہیں چلی جاتی ، قبضہ میں جانا تو دور کی بات ہے ،اس لئے کہ متعدد ممالک میں ٹیکس سے بچنے، دشمن کے خوف یا کسی اور مصلحت سے زمین یا مکان کوبظاہر دوسرے ناموں پر لئے جانے کارواج ہے ، مگراس کا مقصد واقعتاً ان کے حوالے کرنا نہیں ہوتا کتب فقہیہ میں بیع تلجئۃ یااس قسم کی بعض عقود صوریہ کا تذکرہ ملتاہے ،وہاں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بیع تلجئۃ مفید ملک نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو مفید قبضہ قراردیاجائے؟ قبضہ کانمبر توملکیت کے بعدہے[56]۔

مگرمیرے خیال میں یہ بنیاد پچھلی بنیاد سے بھی زیادہ کمزورہے،اس لئے کہ:

☆حقیقی عقود کو غیر حقیقی عقود پر قیاس کرنا فہم سے بالاتر ہے،بیع تلجئۃ اس لئے مفید ملک نہیں ہے کہ اس میں فی الواقع ارادۂ عقد ہی نہیں ہے،نہ یہ کہ اس میں مفید ملک بننے کی صلاحیت نہیں ہے، بیع تلجئۃ ہو یا کوئی عقد صوری اس میں ایجاب وقبول کے الفاظ بظاہر انسان اپنے منہ سے ادا کرتا ہے ،لیکن سابقہ معاہدہ کی بناپر یہ محض دکھاوا ہوتا ہے ،الفاظ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے ،فقہاء نے اس کویگگونہ ہزل کے درجہ میں رکھاہے اور ظاہر ہے کہ بیع وشرا میں ہزل مفید ملک نہیں ہے،الدرالمختار میں ہے:

---

[56]-فقہ البیوع علی المذاھب الاربعۃ للشیخ العلام الفقیہ المفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ ج 1 ص 404 ط کتب خانہ نعیمیہ دیوبند 1436ھ مطابق 2015ء۔

وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل[57]

جبکہ یہاں زیر بحث رجسٹری کی وہ صورت ہے جس میں کہ فی الواقع آدمی بیع کرنے کی غرض سے زمین رجسٹری کرتا ہے، بیع تلجئہ یا ھزل سے اس کو کیا نسبت؟

☆ نیز فقہاء نے بیع تلجئہ کے بارے میں یہ تصریح کی ہے کہ اس کے الفاظ میں فی الواقع عقد مفید بننے کی پوری صلاحیت ہے لیکن انسان کی ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر اس کے اپنے ارادہ کی وجہ سے ضرور تاًبظاہر عقد کرنے کے باوجود بھی عقد منعقد نہیں ہوتا، آج کی زبان میں گویا وہ محض اداکاری کرتے ہیں، حقیقت سے وہ کوسوں دور ہوتے ہیں، اسی لئے اگر عین عقد کے وقت اس بات کا اظہار نہ ہو کہ وہ محض ظاہری دکھاوے کے لئے یہ عقد کررہاہے بلکہ جس طرح انسان فی الواقع عقد انجام دیتا ہے اسی طرح ایجاب وقبول کے الفاظ ادا کرے، تو اس صورت میں ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ اس کے قصد کے مطابق بیع منعقد نہ ہوگی، لیکن حضرت الامام ابو حنیفہؒ سے امام ابو یوسف نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ خلاف قصد بیع منعقد ہو جائے گی، مگر یہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ،۔۔۔ظاہر الروایۃ کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اگر عقد کے وقت تصنع کے الفاظ

---

57 - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 5 ص 406 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)

بولنے کو ضروری قرار دیا جائے تو عقد کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، اور انسان کی جس ضرورت کے لئے اس عقد کی اجازت دی گئی ہے وہ ضرورت ہی پوری نہ ہو گی، علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وَرَوَى أَبُو يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْبَيْعَ جَائِزٌ ؛ لِأَنَّ مَا شَرَطَاهُ فِي السِّرِّ لَمْ يَذْكُرَاهُ فِي الْعَقْدِ ، وَإِنَّمَا عَقَدَا عَقْدًا صَحِيحًا بِشَرَائِطِهِ فَلَا يُؤَثِّرُ فِيهِ مَا تَقَدَّمَ مِنْ الشَّرْطِ ، كَمَا إذَا اتَّفَقَا عَلَى أَنْ يَشْتَرِطَا شَرْطًا فَاسِدًا عِنْدَ الْبَيْعِ ، ثُمَّ بَاعَا مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ ، وَالْجَوَابُ أَنَّ الْحُكْمَ بِبُطْلَانِ هَذَا الْبَيْعِ لِمَكَانِ الضَّرُورَةِ ، فَلَوْ اعْتَبَرْنَا وُجُودَ الشَّرْطِ عِنْدَ الْبَيْعِ لَا تَنْدَفِعُ الضَّرُورَةُ ، وَلَوْ أَجَازَ أَحَدُهُمَا دُونَ الْآخَرِ لَمْ يَجُزْ ، وَإِنْ أَجَازَاهُ جَازَ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ السَّابِقَ وَهُوَ : الْمُوَاضَعَةُ مَنَعَتْ انْعِقَادَ الْعَقْدِ فِي حَقِّ الْحُكْمِ بِمَنْزِلَةِ شَرْطِ خِيَارِ الْمُتَبَايِعَيْنِ ، فَلَا يَصِحُّ إلَّا بِتَرَاضِيهِمَا[58]

اس فقہی توجیہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی وضع اور اصل کے اعتبار سے بیع تلجئہ بھی مفید ملک ہے، لیکن ضرورتاً اس کو غیر مفید قرار دیا گیا ہے

☆علاوہ ازیں اس صورت میں فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ بیع تلجئہ کے بعد اگر مشتری مبیع پر حقیقتاً اور حساً قبضہ بھی کرلے تب بھی اس کو ملکیت حاصل نہ ہو گی، یعنی قبضۂ حقیقی سے بھی ملکیت حاصل نہ ہو گی اور نہ اس سے تبدل ضمان

---

[58] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 12 ص 19 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

ہو گا، شے بدستور بائع ہی کی ملک میں رہے گی، اور یہ قبضہ محض نمائشی قرار پائے گا:

فلا يصح إلا بتراضيهما، ولا يملكه المشتري بالقبض حتى لو كان المشترى عبدا فقبضه وأعتقه لا ينفذ إعتاقه [59]

ایجاب وقبول کے الفاظ کہنا تو حقیقی صورت عقد ہے اسی طرح حسی طور پر قبضہ کرنا یہ بھی حقیقی صورت قبضہ ہے، تو کیا اس بیع تلجئہ کی وقتی اور استثنائی صورت عقد کو بنیاد بنا کر یہ کہنا درست ہو گا کہ حقیقی ایجاب وقبول بھی مفید ملک نہیں ہے یا قبضۂ حقیقی بھی مفید ضمان اور حقیقی قبضہ نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے، پس اسی طرح اگر محض دکھاوے کے لئے کوئی شخص کسی کے نام پر زمین کی رجسٹری کراتا ہے، نہ کہ فی الواقع تو یہ عقد باطل ہے، مفید ملک نہیں ہے، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو گا کہ رجسٹری فی الواقع مفید ملک یا مفید قبضہ نہیں ہے۔

ان طالب علمانہ معروضات کی روشنی میں مجھے ایسا لگتا ہے کہ رجسٹری اپنے قانونی لوازم کے ساتھ مفید ملک بھی ہے اور مفید قبضہ بھی، الا یہ کہ کسی قوی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ زمین کی رجسٹری حقیقت عقد کے طور پر نہیں ہوئی ہے، بلکہ کسی مصلحت کے تحت محض نمائشی طور پر کی گئی ہے،۔۔۔اس صورت میں بشرط ثبوت رجسٹری فرضی مانی جائے گی اور عقد باطل قرار پائے گا، جیسا کہ بیع تلجئہ میں ہوتا ہے۔

---

[59] -حوالۂ بالا-

ہبہ میں بھی رجسٹری قبضۂ حکمی ہے

(۶) اوراس باب میں بحیثیت قبضہ بیع اور ہبہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اگر کوئی ہبہ نامہ رجسٹری کرے اور موہوب لہ رجسٹری کے بعد اپنے نام سے داخل خارج کرالے، یا اپنے علاقے کے لحاظ سے دفتری کاروائی کی تکمیل کرلے، تو شے موہوب پر حکماً اس کا قبضہ ہو جائے گا، اور اس کے بعد وہ اس زمین کو فروخت کرنے کا بھی مجاز ہو گا گو کہ قبضۂ حسی اسے حاصل نہ ہوا ہو۔

فاریکس ٹریڈنگ کی صورت

(۷) آن لائن تجارت کی ایک قسم "فاریکس ٹریڈنگ" ہے، جس میں کمپنی بحیثیت بروکر خریداری کرنے والے ممبر سے کمیشن لیتی ہے، اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی روشنی میں ممبروں کے سامانوں کی خرید وفروخت کرتی ہے، جن سے ممبروں کو بھی فائدہ ہوتا ہے، یہ کاروبار صرف دس فی صد سرمایہ کی شرکت سے شروع ہو سکتا ہے، غور کرنے سے یہ کاروبار درست معلوم نہیں ہوتا، یہ محض کمیشن خوری اور زر سے زر کمانے کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے، اسکرین پر سامان کے شو کر دینے سے انسان کا قانونی حق تو ضرور قائم ہو جاتا ہے، مگر اس کو قبضۂ حکمی قرار دینا مشکل ہے، اس لئے کہ اس کو سرکاری رجسٹری کی طاقت و معنویت حاصل نہیں ہے، علاوہ ازیں اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں فرق ہے، نیز سوالنامہ میں دی گئی تفصیل کے مطابق اس میں خرید کردہ چیز مجموعی سامان سے علحدہ کی گئی یا نہیں؟ اس کی بھی خبر نہیں ہوتی، ان چند در چند خرابیوں کی بنا پر آن لائن کاروبار

کی یہ شکل سدا ًللباب جائز نہیں ہے، الا یہ کہ سامان پر قبضہ حاصل کرلے اور پھر فروخت کرے،۔۔۔ غیر مقبوض ہونے کی صورت میں کبھی یہ بھی ممکن ہے کہ مال سرے سے موجود ہی نہ ہو اور سلسلہ در سلسلہ محض اسکرین پر کاروبار جاری ہو،اس سے ربا کا دروازہ کھل جائے گا،اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے الفاظ میں گویا یہ روپیوں کی بیع روپئے سے ہے،سامان تو موجود نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کاغذی کرنسی کی ثمنی حیثیت اور اس سے خرید و فروخت

(۸)کاغذی کرنسی ایک ثمن اعتباری اور ثمن عرفی ہے،اور ساری دنیا میں بحیثیت ذریعۂ تبادلہ کثرت استعمال کی بنا پر اس کو ثمن مان لیا گیا ہے،ورنہ فی الواقع اس کی کوئی قیمت نہیں ہے،عرف اور اعتبار ساقط ہو جائے تو یہ محض کاغذ کا بے قیمت ٹکڑا ہے،آج عملاً اسی سے سارا کاروبار جاری ہے،لیکن کیا اس تعامل کی بنیاد پر اس کو ثمن حقیقی کا درجہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔۔۔

عصر جدید کا یہ ایک اہم ترین سوال ہے،اس سلسلے میں برصغیر کے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ثمن حقیقی یعنی سونا اور چاندی کے مثل نہیں ہے،اس لئے کہ سونا اور چاندی میں ثمنیت لوگوں کے اعتبار و عرف کی بنا پر بھی ہے اور ان کی ذاتی قیمت کی بنا پر بھی،اگر ان کا ذریعۂ تبادلہ ہونے کا عرف ختم بھی ہو جائے،جب بھی ان کی ذاتی ثمنیت باقی رہے گی،کیونکہ زیورات اور آرائش کے لئے قدرتی ذخائر میں اس سے بہتر چیز موجود نہیں ہے،یہی وجہ ہے نقود اور فلوس زمانے کی تبدیلی سے بدلتے رہے،لیکن صدیاں گذر گئیں سونا اور چاندی کی ثمنی اہمیت،اور معیار قیمت ہونے کی حیثیت میں فرق نہیں آیا،آج کے نئے نظام زر میں کرنسیوں کو معیار قیمت اور ذریعۂ تبادلہ مان لیا گیا ہے،اور اس کی پشت پر سونا کی کوئی مقدار موجود نہیں ہے،کچھ دنوں قبل تک دنیا کے تمام ملکوں کی کرنسیاں ڈالر سے اور ڈالر سونے سے وابستہ ہوا کرتا تھا یعنی امریکہ اس کا پابند عہد تھا کہ وہ ڈالر کے بدلے سونا دے گا،دوسرے ملکوں نے سونا دینے سے انکار کر دیا

تھا تو امریکہ کے ڈالر کو معیار بنایا گیا اس لئے کہ وہ سونا سے وابستہ تھا، لیکن عملاً امریکہ نے سونا کبھی نہیں دیا اور نہ اس سے کسی ملک نے سونا کا مطالبہ کیا، لیکن جب فرانس نے امریکہ سے سونا کے مطالبہ پر اصرار کیا تو دونوں ملکوں کے تعلقات بھی خراب ہوئے، اور ۱۹۷۱ء میں امریکہ نے سونا دینے سے انکار بھی کر دیا، پھر ایک نئے نظام کا آغاز ہوا جس میں ہر ملک کی مجموعی پیداوار اور قوت خرید کو معیار بنا کر کرنسیوں کی قیمت طے کی گئی[60]۔

سونا دینے سے انکار کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا کی نگاہ میں سونا کی کتنی اہمیت ہے، اور ملکوں کے اقتصادی ڈھانچہ کے تحفظ کے لئے یہ کیسی شاہ کلید ہے، اور ہر ملک اپنے ذخیرہ میں سونا کا کتنا تحفظ چاہتا ہے؟ اس سے سونا کے عالمی اور حقیقی معیار ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ثمنیت صرف عرف واعتبار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کی ذاتی معنویت کا بھی دخل ہے۔

کرنسی نوٹ کا مسئلہ فلوس کے مسئلہ پر مبنی ہے

دراصل کرنسی کے بارے اس تصور کی بنیاد فلوس کے مسئلے پر ہے ، فلوس عہد قدیم میں تانبا یا لوہا سے تیار ہونے والے سکوں کو کہتے تھے، فلوس میں ثمنیت بھی ہے اور عددیت بھی، حنفیہ کے یہاں ربا کی بنیاد قدر و جنس پر ہے، اور

---

[60]-یہ معلومات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیقات پر مبنی ہیں، دیکھئے: اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۹۵ تا ۱۰۴۔

قدر کیلی یاوزنی چیز کو کہتے ہیں،معدودات اس دائرے سے خارج ہیں،اس اصول کے مطابق فلوس فی نفسہ عددی بنیادوں پر فروخت ہوتے ہیں،لیکن ذریعۂ تبادلہ اور معیار ثمن ہونے کی بناپر ان میں ثمنیت بھی ہے،ثمنیت تعین کے منافی ہے ،جبکہ عددیت میں تعیین ہوتی ہے،اگر فلوس کی بیع فلوس کے ذریعہ کی جائے،تو کیا اس میں تفاضل یا ادھار کی گنجائش ہے؟یہ مسئلہ قدیم میں فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہاہے:

فلوس کے ذریعہ سوناچاندی کی خریدوفروخت

☆حنفیہ،شافعیہ اور حنابلہ(قول مشہور کے مطابق) کامسلک یہ ہے کہ فلوس میں ربا نہیں ہے،اس لئے کہ وہ عدد کے ذریعہ بیچے اور خریدے جاتے ہیں ،ان میں قدر(کیل ووزن)موجود نہیں ہے،خواہ وہ کتنا ہی رائج اوقت ہو ،جوہری ثمنیت ان میں مفقود ہے،ان کی ثمنیت محض اعتباری ہے،شافعیہ ان کو عروض میں شمار کرتے ہیں[61]، ۔۔۔۔اور حنفیہ ان میں کیل ووزن کو مفقود پاتے ہیں،وہ کہتے ہیں کہ ثمنیت ان میں اصالۃً نہیں ہے،بلکہ عاقدین کے باہمی اتفاق پر مبنی ہے،اور کسی کے باہمی اتفاق سے شے کی اصلیت باطل نہیں ہوتی،اس لئے کمی بیشی کے ساتھ ان کی خریدوفروخت جائز ہے[62]۔

---

[61] - شرح منتهى الإرادات 2 / 194 ، وكشاف القناع 3 / 252 ، والفروع 4 / 148 ، 150- أسنى المطالب 2 / 22 ، ومغني المحتاج 2 / 25 ، والجمل 3 / 45

[62] - البدائع 5 / 185-

وعلى ذلك فيجوز بيع الفلوس بعضها ببعض متفاضلا ، كما يجوز بيع بيضة ببيضتين ، وجوزة بجوزتين ، وسكين بسكينين ، ونحو ذلك إذا كان يدا بيد [63]۔

اور اسی تصور کی بنیاد پر ہماری تمام کتب فقہ میں بیع فلوس بالفلوس کو (شیخین کے قول کے مطابق) بیع صرف ماننے سے انکار کیا گیا ہے:

☆سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما في البزازية لو اشترى مائة فلس بدرهم يكفي التقابض من أحد الجانبين قال ومثله ما لو باع فضة أو ذهبا بفلوس كما في البحر عن المحيط[64]۔

☆ وان اشترى خاتم فضة او خاتم ذهب فيه فص اوليس فيه فص بكذا فلساً وليست الفلوس عنده فهو جائز تقابضا قبل التفرق او لم يتقابضا لان هذابيع وليس بصرف[65]۔

فلوس میں اختلاف فقہاء کی بنیاد

حنفیہ کے یہاں یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں جانب فلوس متعین ہوں، اگر دونوں میں سے کسی جانب بھی تعیین مفقود ہو تو عدم جواز پر حنفیہ

---

[63]- الهداية مع الفتح 6 / 162

[64] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 5 ص 180 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[65] -فتاویٰ عالمگیری کتاب الصرف فی بیع الفلوس ،ج 3 ص 209 ،کذا فی المبسوط للسرخسی دارالکتب العلمیۃ بیروت ج 14 ص 25 -

کا اتفاق ہے، البتہ حضرت امام محمدؒ دونوں جانب تعین کی صورت میں بھی جواز کے قائل نہیں ہیں، جبکہ شیخین جائز قرار دیتے ہیں، اور اس کی بنیاد بیع الاثمان بالاثمان کے وجود پر ہے، شیخین کے نزدیک فلوس کی ثمنیت سونا چاندی کی طرح اصلی اور حقیقی نہیں ہے کہ کبھی بھی ساقط نہ ہو بلکہ اعتباری ہے، جس کو عاقدین باہم ساقط کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اور معاملات میں کسی کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے اس لئے تعیین کی صورت میں وہ صرف ایک عددی چیز کے طور پر باقی رہیں گے اور اموال ربویہ کے دائرہ سے خارج ہو جائیں گے۔۔۔۔۔

جبکہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فلوس کی ثمنیت عرف عام اور تداول عام پر مبنی ہے نہ کہ محض اتفاقات باہم یا عرف خاص پر، اس لئے باہمی تعیین سے ان کی ثمنیت باطل نہ ہوگی، کیونکہ نقود و اثمان تعیین سے متعین نہیں ہوتے، اس لئے سکۂ رائجہ ہونے کی صورت میں ان کی ذاتی حیثیت (عددیت)مغلوب ہو جائے گی اور ذریعۂ تبادلہ ہونے کی بنا پر ان کو معیار ثمن قرار دیا جائے گا، اور ان پر بیع صرف کے احکام جاری ہونگے، :

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْفُلُوسَ الرَّائِجَةَ أَثْمَانٌ وَالثَّمَنُ لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ وَلِهَذَا إذَا قَابَلَ الْفُلُوسَ بِخِلَافِ جِنْسِهَا لَا يَتَعَيَّنُ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يُعْطِيَ غَيْرَهَا وَلَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ بِهَلَاكِهَا وَهَذَا ؛ لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَثْبُتُ بِاصْطِلَاحِ الْكُلِّ فَلَا تَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَإِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا أَوْ يَحْتَمِلُهُ-- وَلَهُمَا أَنَّ الْفُلُوسَ لَيْسَتْ بِأَثْمَانٍ خِلْقَةً وَإِنَّمَا كَانَ ثَمَنًا

بِالِاصْطِلَاحِ وَقَدْ اصْطَلَحَا بِإِبْطَالِ الثَّمَنِيَّةِ فَتَبْطُلُ وَإِنْ كَانَتْ ثَمَنًا عِنْدَ غَيْرِهِمَا مِنْ النَّاسِ لِبَقَاءِ اصْطِلَاحِهِمْ عَلَى ثَمَنِيَّتِهَا وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْغَيْرِ عَلَيْهِمَا فَلَا يَلْزَمُهُمَا اصْطِلَاحُهُمْ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ ؛ لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ فَلَا تَبْطُلُ بِالِاصْطِلَاحِ فَإِذَا بَطَلَتْ الثَّمَنِيَّةُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا[66]۔

☆ مالکیہ کا نقطۂ نظر بھی حضرت امام محمدؒ کے مطابق ہے، حضرت امام مالکؒ نے مدونہ میں تصریح کی ہے:

لا يجوز فلس بفلسين ولا تجوز الفلوس بالذهب والفضة ولا بالدنانير نظرة[67]۔

اور حنابلہ کی ایک روایت بھی یہی ہے[68]۔

---

[66] - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج 4 ص 91 المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ) الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ) الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ - شرح فتح القدير ج 7 ص 21 كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت عدد الأجزاء

[67] - المدونة الكبرى 3 / 395-

[68]-المدونة الكبرى 3 / 395 ، 396 ، 163 ، وكشاف القناع 3 / 252 ، والفروع وتصحيحها 4 / 147 ، 151 .

کرنسی کے حق میں امام محمدؒ کا قول قابل ترجیح ہے

☆آج کی بدلی ہوئی صورت حال میں کاغذی کرنسی کے حق میں امام محمدؒ کا قول زیادہ قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

☆عہد قدیم میں فلوس مستقل ثمن کی حیثیت سے جاری نہیں تھے ، بلکہ سونا چاندی کے تابع ثمن کی حیثیت سے ان کا چلن تھا، درہم ودینار ہی اصل ثمن مانے جاتے تھے ، اور فلوس کو ان کی ریزگاری کے طور پر تصور کیا جاتا تھا، جب کہ آج کے دور میں سونا چاندی کے سکوں کا رواج ساری دنیا سے بالکل ختم ہو چکا ہے، اب ان کرنسیوں نے ہی پوری طرح ان کی جگہ سنبھال لی ہے، آج یہ اثمان تابعہ نہیں بلکہ اثمان اصلیہ کی طرح رائج ہیں۔

☆دوسری بات یہ ہے کہ شیخین کے تصور کی بنیاد یہ ہے کہ ساری دنیا درہم ودینار کو ثمن مانتی ہے جبکہ فلوس اصلاً لوہا اور تانبے کی دھات ہے، جو سکہ بن جانے کے بعد اشیاء عددیہ کی طرح فروخت ہوتے ہیں، اور مخصوص اتفاقات یا مجبوریوں کی بنیاد پر لوگ ان کے ذریعہ معاملات بھی کرتے ہیں، مگر یہ ثمن مسلمہ نہیں ہیں، جس کو توڑا نہ جاسکے اور ان کی اصلیت کی طرف موڑا نہ جاسکے ، علاوہ عاقدین کسی کی ولایت میں نہیں ہیں ۔

آج روپے کی صورت حال یہ نہیں ہے، حکومتوں کی جانب سے اس کی حیثیت مسلمہ ثمن کی ہے، اس کی ثمنیت ساقط کرنے کا اختیار صرف حکومت کو ہے، باہم اس کو محض کاغذ فرض کرلینے سے اس کی ثمنیت ساقط نہیں ہوگی، ملک

کے تمام شہری حکومت کی ولایت میں ہیں، اس لئے نقود اور روپے پیسے کی ثمنیت کو ختم کرنا عام انسانوں کے لئے ممکن نہیں،۔۔۔۔

میرا احساس یہ ہے کہ خود شیخین بھی کرنسی کی موجودہ صورت حال کو ملاحظہ فرماتے تو ان کو فلوس کے بجائے درہم ودینار کا متبادل قرار دیتے ،۔۔۔بلکہ ممکن ہے کہ امام محمدؒ نے مارکیٹ کی وہ صورت حال دیکھی ہو جو اکابر شیخین کے مشاہدہ میں نہ آسکی ہو۔

موجودہ دور کے روپۓ کا آغاز گو کہ سونا چاندی کے تابع کی حیثیت سے ہوا تھا لیکن آج جب سونا چاندی کے سکے مارکیٹ سے ختم ہو چکے ہیں ان کی حیثیت خود مستقل بن چکی ہے۔۔۔زیادہ تر ماہرین معاشیات یہ کہتے ہیں کہ نوٹ کے پیچھے سونا اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بحیثیت ذریعۂ تبادلہ پہلے سے متعارف تھا ،لیکن اب جب بغیر سونے کا واسطہ بنائے ہی کرنسی نوٹ کو ثمنیت اور ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے تو اس کو سونا کا بدل ماننے کی ضرورت نہیں ہے، یہ بذات خود ایک ثمن ہے[69]،

☆اور ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر شیخین کا قول اختیار کیا جائے تو ایک ہی ملک کی کرنسیوں کی باہم خرید وفروخت کو کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز کہنا پڑے گا اور ربا کا دروازہ کھل جائے گا، جب کہ تمام دنیا کے علماء نے روپۓ پیسے کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی کو ناجائز قرار دیا ہے، الا یہ کہ الگ الگ ملکوں کی

---

[69] -اسلام اور جدید معیشت وتجارت، مفتی تقی عثمانی ص ۱۰۴۔

کرنسیاں ہوں ،۔۔۔۔۔اور اسی احتیاط کی بنیاد پر عہد قدیم میں فقہاء ماوراء النہر (سمرقند وبخارا) نے عدالی اور غطارفہ میں تفاضل کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا ،جب کہ ان میں کھوٹ کا غلبہ ہوتا تھا،اور اس کی بنیاد یہی بتائی گئی تھی کہ ہمارے دیار میں ان کی بڑی اہمیت ہے اگر ثمنیت کو مغلوب سمجھ کر تفاضل کو جائز قرار دیا جائے تو ربا کا دروازہ کھل جائے گا[70]،۔۔۔۔۔۔آج کے حالات میں ہمیں اس سے رہنمائی ملتی ہے۔

روپیے سے سونا چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف ہے

اسی بناپر آج اکثر علماء عرب کی رائے یہ ہے کہ کرنسی سونا اور چاندی کی طرح ایک مستقل ثمن ہے ،بینکوں اور نوٹ کے چھاپہ خانوں نے اس کے استقلال پر مہر لگادی ہے ،اس لئے روپیے کے عوض سونا چاندی کی خرید تبادلۂ ثمن بالثمن ہے ،اوراسی کو بیع صرف کہتے ہیں،اس لئے مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری ہے،ایک بدل پر قبضہ کافی نہیں ہے۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ سونا چاندی کے ثمن خلقی ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے ،یہ ایک بات ہے جو صدیوں سے مشہور چلی آرہی ہے ،ورنہ سونا چاندی کی ثمنیت بھی عرف واعتبار ہی پر مبنی ہے،ان کی ذاتی قیمت ملحوظ نہیں ہے،اس تناظر میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول بہت بامعنیٰ ہے کہ:

---

70 - البحر الرائق شرح كتز الدقائق ج 6 ص 218 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

"اگر سونا چاندی کے بجائے جانور کی کھال ذریعۂ تبادلہ بن جائے،اور اسی کی کرنسی اور سکہ تیار ہو جائے(جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے دور میں ارادہ فرمایا تھا)تو میرے نزدیک سونا چاندی کے بالعوض اس کی بیع پر بھی بیع صرف کے احکام جاری ہونگے اور ادھار کی گنجائش نہ ہو گی":

ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى يكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة [71]۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

"درہم ودینار(یعنی موجودہ ثمن)کی کوئی طبعی یا شرعی حقیقت نہیں ہے ،ان کی بنیاد خالص عرف پر ہے،یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں،بلکہ مقصد کسی معیار تعامل اور ذریعۂ تبادلہ کا وجود ہے،اور یہی ان کے ثمن ہونے کی اساس ہے ،جو چیزیں وسائل کا درجہ رکھتی ہیں ان کی نہ صورت مطلوب ہوتی ہے اور نہ مادہ ،مقصد کی تکمیل سے زیادہ کچھ مطلوب نہیں ہوتا،(یعنی اگر یہ مقصد کسی اور چیز سے حاصل ہونے لگے تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا):

(وأما الدرهم والدينار فما يعرف له حد طبعي ولا شرعي ، بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح؛ وذلك لأنه في الأصل لا يتعلق المقصود به ، بل الغرض أن يكون معيارا لما يتعاملون به ، والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها ، بل هي وسيلة إلى التعامل بها ؛ ولهذا

[71]- [المدونة الكبرى] ، للإمام مالك،كتاب الصرف (3 \ 5)

كانت أثمانا . . . إلى أن قال : والوسيلة المحضة التي لا يتعلق بها غرض ، لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيفما كانت)[72]۔

ہیئۃ کبار العلماء کا فیصلہ

چنانچہ سعودیہ عرب کے موقر علمی ادارہ "ہیئۃ کبار العلماء" نے کرنسی کے مسئلے پر معاصر علماء وفقہاء سے مذاکرات ومناقشات کے بعد اکثریت کی رائے کے مطابق یہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ کرنسی خواہ کسی ملک کی ہو وہ عین ثمن کے قائم مقام ہے اور سونا اور چاندی کی ثمنیت کے ہم پلہ ہے، اور اس کی پشت پر سونا ہونے کی بات محض رسمی ہے، خارجی دنیا میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس لئے موجودہ کرنسی کے ذریعہ سونا اور چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف کے زمرہ میں داخل ہے، اور مجلس عقد میں تقابض بدلین ضروری ہے:

قرار هيئة كبار العلماء

(رقم (10) وتاريخ 17 \ 8 \ 1393هـ)

الحمد لله وحده ، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده محمد ، وعلى آله وصحبه ، وبعد :

فبناء على توصية رئيس إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد ، والأمين العام لهيئة كبار العلماء – بدراسة موضوع الورق النقدي من قبل هيئة كبار العلماء ؛ استنادا إلى المادة السابعة

---

72 - [مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية] ، (29 \ 251) .

من لائحة سير العمل في الهيئة التي تنص على أن ما يجري بحثه في مجلس الهيئة يتم بطلب من ولي الأمر ، أو بتوصية من الهيئة ، أو من أمينها ، أو من رئيس إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد ، أو من اللجنة الدائمة المتفرعة عن الهيئة – فقد جرى إدراج الموضوع في جدول أعمال الهيئة لدورتها الثالثة المنعقدة فيما بين 1 \ 4 \ 1393 هـ و 17 \ 4 \ 1393 هـ ، وفي تلك الدورة جرى دراسة الموضوع بعد الاطلاع على البحث المقدم عنه من اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء .

وبعد استعراض الأقوال الفقهية التي قيلت في حقيقة الأوراق النقدية من اعتبارها أسنادا ، أو عروضا ، أو فلوسا ، أو بدلا عن ذهب أو فضة ، أو نقدا مستقلا بذاته ، وما يترتب على تلك الأقوال من أحكام شرعية – جرى تداول الرأي فيها ، ومناقشة ما على كل قول منها من إيرادات. فتنتج عن ذلك عديد من التساؤلات التي تتعلق بالإجراءات المتخذة من قبل الجهات المصدرة لها :

وحيث إن الموضوع من المسائل التي تقضي المادة العاشرة من لائحة سير عمل الهيئة بالاستعانة بالشؤون الاقتصادية والاجتماعية والأنظمة العامة بما في ذلك القضايا البنكية والتجارية والعمالية ، فإن عليها أن تشرك في البحث معها واحدا أو أكثر من المتخصصين في تلك العلوم – فقد جرى استدعاء سعادة محافظ مؤسسة النقد

العربي السعودي الدكتور أنور علي ، وحضر معه الدكتور عمر شابريه أحد المختصين في العلوم الاقتصادية ، ووجهت إلى سعادته الأسئلة التالية:

س1 : هل تعتبر مؤسسة النقد ورق النقد السعودي نقدا قائما بذاته أم تعتبره سندات تتعهد الدولة بدفع قيمتها لحاملها ، كما هو مدون على كل فئة من فئات أوراق النقد السعودي ، وإذا لم يرد معنى هذه العبارة ، فما معنى الالتزام بتسجيلها على كل ورقة ، وهل يعني ذلك التعهد أن ورق النقد السعودي مغطى بريالات فضية أم لا ؟

س2: هل لكل عملة ورقية غطاء مادي محفوظ في خزائن مصدريها ، وإذا كان كذلك فهل هو غطاء كامل أم غطاء للبعض فقط ، وإذا كان غطاء للبعض فما هو الحد الأعلى للتغطية ، وما هو الحد الأدنى لها؟

س 3: ما نوع غطاء العملات الورقية ، وهل توجد عملة لأي دولة ما مغطاة بالفضة ، وله هناك جهات إصدار تخلت عن فكرة التغطية المادية مطلقا ؟

س4 : المعروف أن الورقة النقدية لا قيمة لها في ذاتها ، وإنما قيمتها في أمر خارج عنها ، فما هي مقومات هذه القيمة؟

س5 : نرغب شرح نظرية غطاء النقد بصفة عامة ، وما هي مقومات اعتبار العملة الورقية على الصعيدين الدولي والمحلى؟

س6: هل الغطاء لا يكون إلا بالذهب ، وإذا كان بالذهب وغيره فهل غير الذهب فرع عن الذهب باعتبار أنه قيمة له ، وهل يكفي للغطاء ملاءة ومتانة اقتصادها وقوتها ولو لم يكن لنقدها رصيد؟

س7 : ما يسمى بالدينار ، والجنيه هل هو مغطى بالذهب ، ولذا سمي دينارا أو جنيها رمزا لما غطي به ، ومثله الريال السعودي هل هو مغطى بفضة أم أن هذه التسميات يقصد منها المحافظة على التسميات القديمة للعمل المتداولة فيما مضى بغض النظر عما هي مستندة عليه من ذهب أو فضة ؟

س8: ما السبب في عدم الثقة في النقد المتداول اليوم مما أدى إلى ارتفاع الذهب ارتفاعا لم يسبق له نظير؟

وأجاب سعادته عنها بواسطة المترجم القائد الدكتور أحمد المالك إجابة جرى رصد خلاصتها في محضر الجلسة مع سعادته ، وقد توصلت بها الأكثرية من الهيئة إلى الاقتناع بما ارتأته فيها من رأي .

ثم بعد إعادة النظر في الأقوال الفقهية التي قيلت فيها على ضوء الإيضاحات التي ذكرها سعادة المحافظ – قرر المجلس بالأكثرية ما يلي:

بناء على أن النقد هو كل شيء يجري اعتباره في العادة أو الاصطلاح ، بحيث يلقى قبولا عاما كوسيط للتبادل ، كما أشار إلى ذلك شيخ الإسلام ابن تيمية حيث قال : (وأما الدرهم والدينار فما يعرف له حد طبعي ولاشرعي ، بل مرجعه إلى العادة

والاصطلاح؛ وذلك لأنه في الأصل لا يتعلق المقصود به ، بل الغرض أن يكون معيارا لما يتعاملون به ، والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها ، بل هي وسيلة إلى التعامل بها ؛ ولهذا كانت أثمانا . . . إلى أن قال : والوسيلة المحضة التي لا يتعلق بها غرض ، لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيفما كانت) اهـــ (1) .

وذكر نحو ذلك الإمام مالك في [المدونة] ، من كتاب الصرف حيث قال: (ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى يكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة) اهـــ (2) .

وحيث إن الورق النقدي يلقى قبولا عاما في التداول ، ويحمل خصائص الأثمان من كونه مقياسا للقيم ومستودعا للثروة ، وبه الإبراء العام ، وحيث ظهر من المناقشة مع سعادة المحافظ : أن صفة السندية فيها غير مقصودة ، والواقع يشهد بذلك ويؤكده ، كما ظهر أن الغطاء لا يلزم أن يكون شاملا لجميع الأوراق النقدية ، بل يجوز في عرف جهات الإصدار أن يكون جزء من عملتها بدون غطاء ، وأن الغطاء لا يلزم أن يكون ذهبا ، بل يجوز أن يكون من أمور عدة كالذهب والعملات الورقية القوية ، وأن الفضة ليست غطاء كليا أو جزئيا لأي عملة في العالم ، كما اتضح أن مقومات الورقة النقدية قوة وضعفا مستمدة مما تكون عليه حكومتها من حال اقتصادية ، فتقوى الورقة بقوة دولتها وتضعف بضعفها ، وأن

الخامات المحلية؛ كالبترول والقطن والصوف لم تعتبر حتى الآن لدى أي من جهات الإصدار
غطاء للعملات الورقية.

وحيث إن القول باعتبار مطلق الثمنية علة في جريان الربا في النقدين هو الأظهر دليلا ، والأقرب إلى مقاصد الشريعة ، وهو إحدى الروايات عن الأئمة مالك وأبي حنيفة وأحمد ، قال أبو بكر : روى ذلك عن أحمد جماعة ، كما هو اختيار بعض المحققين من أهل العلم؛ كشيخ الإسلام ابن تيمية وتلميذه ابن القيم وغيرهما.

وحيث إن الثمنية متحققة بوضوح في الأوراق النقدية ؛ لذلك كله فإن هيئة كبار العلماء تقرر بأكثريتها: أن الورق النقدي يعتبر نقدا قائما بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرها من الأثمان ، وأنه أجناس تتعدد بتعدد جهات الإصدار ، بمعنى: أن الورق النقدي السعودي جنس ، وأن الورق النقدي الأمريكي جنس ، وهكذا كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته ، وأنه يترتب على ذلك الأحكام الشرعية الآتية:

أولا: جريان الربا بنوعيه فيها ، كما يجري الربا بنوعيه في النقدين الذهب والفضة وفي غيرهما من الأثمان كالفلوس ، وهذا يقتضي ما يلي :

(أ) لا يجوز بيع بعضه ببعض أو بغيره من الأجناس النقدية الأخرى من ذهب أو فضة أو غيرهما – نسيئة مطلقا ، فلا يجوز مثلا بيع الدولار الأمريكي بخمسة أريلة سعودية أو أقل أو أكثر نسيئة.

(ب) لا يجوز بيع الجنس الواحد منه بعضه ببعض متفاضلا ، سواء كان ذلك نسيئة أو يدا بيد ، فلا يجوز مثلا بيع عشرة أريلة سعودية ورق بأحد عشر ريالا سعوديا ورقا.

ج) يجوز بيع بعضه ببعض من غير جنسه مطلقا ، إذا كان ذلك يدا بيد ، فيجوز بيع الليرة السورية أو اللبنانية بريال سعودي ، ورقا كان أو فضة ، أو أقل من ذلك أو أكثر ، وبيع الدولار الأمريكي بثلاثة أريلة سعودية أو أقل أو أكثر إذا كان ذلك يدا بيد ، ومثل ذلك في الجواز بيع الريال السعودي الفضة بثلاثة أريلة سعودية ورق أو أقل أو أكثر يدا بيد ؛ لأن ذلك يعتبر بيع جنس بغير جنسه ولا أثر لمجرد الاشتراك في الاسم مع الاختلاف في الحقيقة.

ثانيا: وجوب زكاتها إذا بلغت قيمتها أدنى النصابين من ذهب أو فضة أو كانت تكمل النصاب مع غيرها من الأثمان والعروض المعدة للتجارة إذا كانت مملوكة لأهل وجوبها.

ثالثا: جواز جعلها رأس مال في السلم والشركات.

والله أعلم ، وبالله التوفيق ، وصلى الله على نبينا محمد ، وآله وصحبه وسلم.

هيئة كبار العلماء. ... . رئيس الدورة الثالثة. ... . محمد الأمين الشنقيطي[73]۔

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ نے بھی اپنے فیصلوں میں کرنسی کو ثمنیت کے معاملے میں سونا چاندی کے مثل قرار دیا ہے،اور تمام مسائل میں اس پر سونا اور چاندی کے احکام جاری کئے ہیں:

فإن مجلس المجمع الفقهي الإسلامي، يقرر أن العملة الورقية نقد قائم بذاته، له حكم النقدين من الذهب والفضة، فتجب الزكاة فيها، ويجري الربا عليها بنوعيه، فضلاً ونسيًا، كما يجرى ذلك في النقدين من الذهب والفضة تمامًا؛ باعتبار الثمنية في العملة الورقية قياسا عليهما. وبذلك تأخذ العملة الورقية أحكام النقود في كل الالتزامات التي تفرضها الشريعة فيها.

ثانيا : يعتبر الورق النقدي نقدًا قائمًا بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرهما من الأثمان، كما يعتبر الورق النقدي أجناسًا مختلفة، تتعدد بتعدد جهات الإصدار في البلدان المختلفة، بمعنى أن الورق النقدي السعودي جنس. وأن الورق النقدي الأمريكي جنس، وهكذا كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته، وبذلك يجري فيها الربا بنوعيه فضلاً ونسيًا ، كما يجري الربا بنوعيه في النقدين

---

[73]- أبحاث هيئة كبار العلماء ج1 ص 93 المؤلف : هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية عدد الأجزاء : 7 أجزاء مصدر الكتاب : موقع الرئاسة العامة للبحوث العلمية والإفتاء

الذهب والفضة وفي غيرها من الأثمان[74].

ڈرافٹ اور چیک کے ذریعہ ادائیگی

☆البتہ ان حضرات کے یہاں قبضہ کے مفہوم میں تھوڑی وسعت ہے ،روپے کے بجائے چیک اور ڈرافٹ کے ذریعہ ادائیگی بھی ان کے نزدیک قبضہ کے مفہوم میں داخل ہے[75]۔

عالم عرب میں کئی شخصیتوں اور اداروں کے نام ملتے ہیں جو اس خیال کے حامل ہیں، مثلاً الدکتور علی السالوس، الدکتور سامی حمود، شیخ ستر الجعید شیخ عبد اللہ بن سلیمان بن منیع وغیرہ ان کے نزدیک چیک پر قبضہ کرنا بعینہ نقد پر قبضہ کرنے کے مترادف ہے[76]، اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، اس نقطۂ نظر کی پشت پر درج ذیل دلائل ہیں:

---

[74]- مجلة مجمع الفقه الاسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي بجدة ج 3 ص 951 المؤلف : تصدر عن منظمة المؤتمر الاسلامي بجدة

[75]-اس رائے کا تذکرہ تقریباً ۲۶ سال قبل اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوتھے فقہی سمینار (منعقدہ حیدرآباد بتاریخ ۲۷ - ۳۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ – ۱۲ اگست ۱۹۹۱ء) میں علماء کی ایک جماعت کے حوالہ سے کیا گیا تھا، جس سے مراد علماء ہند کی ایک جماعت ہے، نوٹ کے بارے میں بھی اس جماعت کی رائے وہی ہے جو علماء عرب کے حوالے سے اوپر گذری (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۵۳) لیکن آج علماء عرب کی اکثریت اسی کی قائل ہے:

(دیکھئے: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی کی کتاب "اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۱۰۶ مطبوعہ جون ۲۰۰۹ء دارالاشاعت دیوبند)

[76] - انظر المعاملات المصرفية والربوية ، د . نور الدين عتر : ص 38 ، 39 ، النقود والمصارف ، د . عوف الكفراوي : ص 47 ، موقف الشريعة من المصارف الإسلامية المعاصرة . د . عبد السلام العبادي ص 243 ، السالوس : استبدال النقود والعملات : ص 164 وما بعدها۔

☆عہد صحابہ اور عہد فقہاء میں سفتجہ کا ذکر ملتا ہے، جو چیک ہی کی طرح مالی لین دین کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔۔۔۔

☆حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مکہ میں تاجروں سے دراہم لیتے تھے اور ان کو ایک تحریر دے دیتے جس کی بنیاد پر ان کو عراق میں ان کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ سے اتنے ہی دراہم مل جاتے تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ان کے اس عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں:

عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِى رَبَاحٍ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ قَوْمٍ بِمَكَّةَ دَرَاهِمَ ثُمَّ يَكْتُبُ بِهَا إِلَى مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِالْعِرَاقِ فَيَأْخُذُونَهَا مِنْهُ فَسُئِلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ ذَلِكَ فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا فَقِيلَ لَهُ : إِنْ أَخَذُوا أَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهِمْ قَالَ : لاَ بَأْسَ إِذَا أَخَذُوا بِوَزْنِ دَرَاهِمِهِمْ.

{ق} وَرُوِىَ فِى ذَلِكَ أَيْضًا عَنْ عَلِىٍّ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنْ صَحَّ ذَلِكَ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَإِنَّمَا أَرَادَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ إِذَا كَانَ ذَلِكَ بِغَيْرِ شَرْطٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ[77]۔

---

[77]- السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج 5 ص 352 حدیث نمبر :11266 المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق :الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى ــ 1344 هــ عدد الأجزاء : 10 - مصنف عبد الرزاق ج8 ص 140 باب السفتجة المؤلف : عبد الرزاق بن همام الصنعاني (المتوفى : 211هــ)

یعنی تحریر کو قبضہ کا قائم مقام قرار دیا گیا، اس طرح نقود کے نقل و حمل میں جو خطرات ہیں ان سے انسان محفوظ رہتا تھا۔۔۔ آج کے دور میں چیک اسی سفتجہ کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور چیک سے وہ تمام مقاصد زیادہ بہتر طور پر پورے ہوتے ہیں جو پہلے سفتجہ سے پورے کئے جاتے تھے۔

☆ان حضرات نے بعض فقہاء کی اس رائے سے بھی استفادہ کیا ہے کہ کسی معتبر اور صاحب حیثیت شخص پر واجبات کو محول کر دینا بھی بمنزلۂ قبضہ ہے ،مثلاً ابن قدامہ لکھتے ہیں:

٭الحوالة بمنزلة القبض[78]

٭الحوالة كالتسليم[79]

☆علامہ ابن تیمیہؒ اور متعدد مشائخ فقہ نے لکھا ہے کہ قبضہ کی بنیاد عرف پر ہے[80] ،اور موجودہ عرف میں ڈرافٹ اور چیک سے ادائیگی کو انتہائی قابل اعتماد ذرائع میں تسلیم کیا جاتا ہے،

☆علاوہ ازیں ماہرین معاشیات کا بھی اتفاق ہے کہ چیک پر قبضہ اصل شے پر قبضہ کے قائم مقام ہے،نقد ادائیگی سے آج یہ کسی طرح کم نہیں ہے،بلکہ کئی لحاظ سے زیادہ قابل ترجیح ہے مثلاً:

---

[78] -المغنی ج 6 ص 56 -

[79] -المغنی ج 5 ص 69- وكذا فی الشرح الكبير (انظر **69/58/5**) .

[80] - **مجموع الفتاوى 448/29**۔بقیہ حوالے پہلے گذر چکے ہیں۔

☆نقود کے نقل و حمل میں خطرات اور دشواریاں بہت ہیں، چیک میں ایسی کوئی دشواری نہیں ہے۔

☆کرنسی میں جعلی ہونے کا بھی اندیشہ ہے، اور عام استعمال میں پتہ بھی نہیں چلتا، جب کہ چیک میں اس کے بالمقابل زیادہ تحفظ ہے، چیک بھی کبھی بونڈ ہو سکتا ہے، مگر بہت کم، مستقل کاروبار کرنے والے ایسی غفلت نہیں کرتے، ورنہ ان کی ساکھ خراب ہو جائے گی، علاوہ ازیں اس کے خلاف سخت قوانین موجود ہیں

☆ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ تقابض کی دو قسمیں ہیں ،(۱) تقابض بالید، جس میں ہاتھوں ہاتھ قبضہ کا تبادلہ ہو تا ہے، (۲) دوسری قسم ہے تقابض حسابی، جس میں دفتری کاروائیوں کے ذریعہ قبضہ متحقق ہو تا ہے، یعنی قانونی قبضہ، جس کو آج کے عرف میں طرفین کے لئے اثبات منجز کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، اور قانونی تمام تصرفات بیع و شراء اور ہبہ وغیرہ کا مکمل حق اسے حاصل ہو جاتا ہے، اسی لئے جس طرح چیک کے اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم نہ رہنا جرم ہے اسی طرح تاریخ ادا کی صراحت نہ کرنا بھی جرم ہے[81]۔

☆اس تصور کی تائید میں ایک استدلال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے باب میں فقہانے لکھا ہے کہ اگر مال کسی مالدار شخص کے پاس بطور دین ہو اور وہ اس کا اقرار بھی کرتا ہو تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو گی جب کہ مال غیر مقبوض پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، فقہاء نے اس کو مقبوض کے درجے میں رکھا ہے:

---

[81] - تطور الأعمال المصرفية بما يتفق والشريعة الإسلامية ، الطبعة الأولى ، ص 346 ، 350-

علامہ زیلعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولو كان الدين على مقرٍّ تجب – أي الزكاة – لأنه يمكنه الوصول إليه ابتداء أو بواسطة التحصيل[82]

مرداویؒ رقمطراز ہیں:

الحوالة به والإبراء منه كالقبض على الصحيح من المذهب وقيل إن جعل وفاء كالقبض وإلا فلا[83]

ابو عبید لکھتے ہیں:

وما كان من دين على ثقة فزكه[84]

ابو عبید کہتے ہیں کہ متعدد صحابہ مثلاً حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ اور بہت سے تابعین مثلاً حضرت حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، جابر بن زیدؒ، مجاہدؒ، میمون بن مہرانؒ، وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس قرض پر زکوٰۃ واجب ہے جو کسی مالدار اور مقر شخص کے پاس ہو:

عن عمر وعثمان وجابر وابن عمر ثم قول التابعين بعد ذلك الحسن وإبراهيم وجابر بن زيد ومجاهد وميمون بن مهران أن يزكيه في كل عام مع ماله الحاضر إذا كان الدين على الأملياء

---

[82] - تبيين الحقائق للزيلعي : 1 / 256-

[83] - الانصاف للمرداوي : 3 / 18-

[84]- الأموال لأبي عبيد : 388-

المأمونين لأن هذا حينئذ بمنزلة ما بيده وفي بيته[85]

بینکوں یا مالیاتی ادروں کے پاس لوگوں کے جواموال ہوتے ہیں وہ مدیون مقر سے زیادہ محفوظ اور مستحکم ہوتے ہیں، اس لئے اس مسئلے سے استیناس کیا جاسکتا ہے،

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ

☆ انہی دلائل ووجوہات کی بناپر رابطہ عالم اسلامی کے مجمع الفقہ الاسلامی نے مکہ معظمہ میں اپنے سیمینار(۱۳ تا ۲۰/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۶ فروری ۱۹۸۹ء) میں یہ فیصلہ کیاہے کہ چیک پر قبضہ اصل پر قبضہ کے مترادف ہے، بشرطیکہ اس کے تمام لوازم وشرائط کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو، دیکھئے مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کی عبارت جو مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی میں موجود ہے:

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده سيدنا ونبينا محمد صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم .

أما بعد : فإن مجلس المجمع الفقهي الإسلامي لرابطة العالم الإسلامي في دورته الحادية عشرة المنعقدة بمكة المكرمة في الفترة من يوم الأحد 13 رجب 1409هـ الموافق 19 فبراير 1989م إلى يوم الأحد 20 رجب 1409هـ الموافق 26 فبراير 1989 وقد نظر في موضوع :

---

85 - الأموال : 392-

1- صرف النقود في المصارف هل يستغنى فيه عن القبض بالشيك الذي يتسلمه مريد التحويل .

2- هل يكتفي بالقيد في دفاتر المصرف عن القبض لمن يريد استبدال عملة بعملة أخرى مودعة في المصرف ؟ . وبعد البحث والدراسة قرر المجلس بالإجماع ما يلي :

أولا : يقوم تسليم الشيك مقام القبض عند توفر شروطه في مسألة صرف النقود بالتحويل في المصارف .

ثانيًا : يعتبر القيد في دفاتر المصرف في حكم القبض لمن يريد استبدال عملة بعملة أخرى سواء كان الصرف بعملة يعطيها الشخص للمصرف أو بعملة مودعة فيه .

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليمًا كثيرًا والحمد لله رب العالمين[86].

فتاویٰ الشبکۃ الاسلامیہ میں لکھا ہے کہ جمہور فقہاء معاصرین کے نزدیک چیک پر قبضہ اصل قبضہ کے ہم معنیٰ ہے، اسی لئے چیک کو اس کی اصل قیمت سے کم پر فروخت جائز نہیں ہے، یہ ربا ہے، نقد اور چیک میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے:

---

[86] - مجلة مجمع الفقه الاسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي بجدة ج 6 ص 534 المؤلف : تصدر عن منظمة المؤتمر الاسلامي بجدة وقد صدرت في 13 عددا ، وكل عدد يتكون من مجموعة من المجلدات ، كما يلي العدد 1 : مجلد واحد . العدد 2 : مجلدان .العدد 5 و 7 و 9 و 12 : كل منها 4 مجلدات بقية الأعداد : كل منها 3 مجلدات
ومجموع المجلدات للأعداد الـــ13 : أربعون مجلدا ..

وإذا كانت هذه الصكوك مصدقة بحيث صار مثلها مثل الشيكات، فقد ذهب جمهور الفقهاء المعاصرين إلى أن قبض الشيك قبض لمحتواه إذا كان مصدقًا أو في قوة التصديق وذلك بصدوره ممن تتوفر فيه الثقة والاطمئنان وسلامة التعامل التجاري ممن هو أمين على شرفه ومقامه وعلو سمعته، ويعتبر قبضًا لمحتواه في عملية المصارفة إذا كان مصدر الشيك يملك المبلغ المشمول بالشيك، وبهذا صدرت قرارت المجامع الفقهية، ومن ذلك قرار مجلس المجمع الفقهي الإسلامي في دورته الحادية عشرة وجاء فيه: أولا: يقوم تسليم الشيك مقام القبض عند توفر شروطه في مسألة صرف النقود بالتحويل في المصارف . اهـــ.

وعلى هذا لا يجوز صرف هذه الصكاك بأقل من قيمتها من نفس العملة لأنه ربا، ويجوز صرفها بعملة أخرى من غير جنسها ويكون قبض الصك بمثابة قبض لمحتواه.

ولمزيد الفائدة يمكنك مراجعة الفتاوى الآتية أرقامها: **36429 ، 65547 ، 70627 ، 108519** .والله أعلم.

[تَارِيخُ الْفَتْوَى]11 شوال 1429[87]-

---

[87] - فتاوى الشبكة الإسلامية ج 12 ص 1980 فتوىٰ نمبر : 113377 المؤلف : لجنة الفتوى بالشبكة الإسلامية تم نسخه من الإنترنت : في 1 ذو الحجة 1430، هـــ = 18 نوفمبر ، 2009 م تنبيه : هذا الملف هو أرشيف لجميع الفتاوى العربية بالموقع حتى تاريخ نسخه (وعددها 90751) [وتجد رقم الفتوى في خانة الرقم ، وروابطها أسفل يسار الشاشة]

البتہ حنفیہ کے اصول کے مطابق اس میں ایک دشواری یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں بیع صرف میں قبضۂ حکمی کافی نہیں ہے ،بلکہ قبضۂ حسی ضروری ہے ،چیک یاڈرافٹ کو اگر حوالہ کی روشنی میں سمجھا جائے تو حوالہ قبضۂ حقیقی نہیں قبضۂ حکمی میں داخل ہے،۔۔۔۔۔۔۔۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ حوالہ میں محتال علیہ کی رضامندی ضروری ہے ،محتال علیہ زیر بحث صورت میں بینک ہے ،تو کیا بینک سے اس سلسلے میں رضامندی حاصل کی جاتی ہے؟

مگر ان دونوں شبہات میں کوئی خاص وزن نہیں ہے:

(ا)جہاں تک حوالہ کے قبضۂ حکمی ہونے کی بات ہے،تو بیع صرف میں قبضۂ حسی کی شرط دراصل اس اندیشۂ غرر سے بچنے کے لئے ہے جو قبضۂ حکمی کی بعض صورتوں میں پیش آنے کا امکان ہے،چیک یاڈرافٹ کی صورت عام حالات میں اس اندیشہ سے محفوظ ہے، آج کے دور میں یہ ادائیگی کے انتہائی قابل اعتماد ذرائع میں شمار کئے جاتے ہیں۔۔۔اس کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ عصر حاضر کے علماء نے شیرز کی خرید وفروخت کی اجازت دی ہے ،بشر طیکہ شیرز جاری کرنے والی کمپنی کا کاروبار جائز ہو،شیرز دراصل کمپنی میں موجود اثاثے میں ملکیت کے مخصوص تناسب کی نمائندگی کرتے ہیں،ظاہر ہے کہ کمپنی کے اثاثوں پر مشتری کو قبضہ دینے کی اس کے سوا کوئی شکل نہیں ہے کہ شیرز سرٹیفکٹ پر آدمی قبضہ کرادے،علماء نے شیرز سرٹیفکٹ پر قبضہ کو اس کی اصل مالیت پر قبضہ کے قائم

مقام قرار دیا ہے، اسی طرح چیک بھی اس نقد کا قائم مقام ہے جو حکومت کے خزانے میں موجود ہے، اس پر قبضہ اصل نقد پر قبضہ کے قائم مقام ہے۔۔۔

جہاں تک محتال علیہ کی رضامندی کا مسئلہ ہے تو جب بینک کے بنیادی فرائض میں اس قسم کا لین دین بھی شامل ہے تو یہ کہنا بہت عجیب ہے کہ بینک سے اس عقد کی اجازت لی گئی ہے یا نہیں؟

(۹) انٹرنیٹ پر خریداری کے لئے متعدد ویب سائٹیں موجود ہیں جن میں سامان کی مکمل تفصیلات موجود ہوتی ہیں، خریدار اپنے سامان کی تعیین کے بعد اپنے بینک اکاؤنٹ کے ذریعہ کمپنی کو سامان کی قیمت ادا کر دیتا ہے، اور کمپنی شرائط کے مطابق اس کا خریدا ہوا سامان اس کے مطلوبہ مقام پر بھیج دیتی ہے، اگر مشتری کو سامان پسند نہ آئے تو سامان کو واپس بھی کر سکتا ہے، اس طرح کی آن لائن تجارت میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، بظاہر شریعت کے کسی اصول کے یہ خلاف نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

خلاصۂ جوابات

(۱، ۲، ۳) قبضہ کا کوئی مقررہ معیار شریعت میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کو ہر چیز کی اپنی معنویت اور عرفی تصورات ورجحانات پر چھوڑ دیا گیا ہے، کسی بھی چیز کا قبضہ اس کے اپنے ظروف اور عرف عادت کے مطابق طے کیا جائے گا ، ایک شے یا ایک دور یا ایک عرف کا معیار قبضہ دوسری شے یا دور یا عرف کے لئے کافی نہیں ہو گا، اور یہ رائے اکثر مکاتب فقہ کے علماء و مصنفین کے یہاں

موجود ہے۔

قبضہ کے لئے ہر شے کا اپنا الگ معیار ہے اور اس میں عرف کا بڑا دخل ہے، عرف میں جس قسم کے استیلاء یا تمکن کو قبضہ سمجھا جاتا ہو وہی قبضہ معتبر ہو گا۔

(۴)زمین جائیداد اشیاء غیر منقولہ میں سے ہے، اس کی خرید و فروخت کے لئے ملکیت ضروری ہے، قبضہ ضروری نہیں ہے، میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ زمین کی رجسٹری قبضۂ شرعی کے حکم میں ہے، تفصیلی دلائل مقالہ کے اندر موجود ہیں۔

(۵)اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض بیع فاسد ہے، باطل نہیں، یعنی قبضہ حاصل ہو جائے تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

(٦)زمین کی رجسٹری قبضۂ شرعی کے حکم میں ہے، اس میں بیع اور ہبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، ہبہ کی رجسٹری ہو جانے اور داخل خارج کا عمل مکمل ہو جانے کے بعد موہوب لہ اس زمین کو فروخت کر سکتا ہے، خواہ اس کو قبضۂ حسی حاصل نہ ہوا ہو۔

(۷)انٹرنیٹ پر ہونے والی تجارت کی ایک قسم فاریکس ٹریڈنگ ہے ،اس کے بارے میں سوالنامہ میں جو تفصیلات دی گئی ہیں، ان کے مطابق وہ جائز معلوم نہیں ہوتی، وہ نتیجہ کے لحاظ سے ربا اور قمار سے مرکب شکل ہے، سداً للباب یہ ممنوع ہے۔

(۸)روپے پیسے سے سونا چاندی خریدنا حضرت امام محمدؒ کے اصول کے مطابق بیع صرف ہے، شیخین کے ذہن میں فلوس کا جو تصور تھا آج کی کرنسی اس سے بالکل مختلف ہے، آج کے دور میں سد اللباب امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا جانا چاہئے۔

اسی طرح میرا خیال یہ بھی ہے کہ چیک،ڈرافٹ وغیرہ کے ذریعہ ادائیگی کو آج کے دور میں قبضہ تصور کیا جانا چاہئے، تفصیل مقالہ میں موجود ہے۔

☆روپئے سے سونا چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہے

(الف)اس میں مجلس عقد میں تقابض بدلین ضروری ہے،ایک نقد اور دوسرا ادھار درست نہیں:

(ويشترط) عدم التأجيل والخيار و (التماثل) أي التساوي وزنا (والتقابض) بالبراجم لا بالتخلية (قبل الافتراق)(الدرالمختار)أي افتراق المتعاقدين بأبدانهما والتقييد بالعاقدين يعم المالكين والنائبين وتقييد الفرقة بالأبدان يفيد عموم اعتبار المجلس ومن ثم قالوا إنه لا يبطل بما يدل على الإعراض ولو سارا فرسخا ولم يتفرقا صح وقد اعتبروا المجلس في مسألة هي ما لو قال الأب اشهدوا أني اشتريت هذا الدينار من ابني الصغير بعشرة دراهم ثم قام قبل أن يزن العشرة فهو باطل كذا عن محمد لأنه لا

يمكن اعتبار التفرق بالأبدان [88]۔

(ب)سونااور چاندی کا جو نرخ حکومت یااس کی مارکیٹ نے طے کیاہے اس سے زیادہ یاکم قیمت میں روپے سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ روپیہ کی جنس ثمنیت سوناچاندی سے مختلف ہے اور مختلف الجنس میں تفاضل کی اجازت ہے،

وان باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة [89]۔

(۲)زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں، انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی ہی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے جتنی انہوں نے لی تھی، البتہ سونے کا زیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے، اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں، یہی ان کی اجرت ہوتی ہے:

(الف) اگر یہ واقعی اجرت ہے جیسا کہ ان کے پیشے کا تقاضا ہے کہ وہ سونا کے کاریگر ہیں تاجر نہیں، تو اجرت متعین ہونی ضروری ہے، سونے کے

---

[88] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 5 ص 258 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

[89] -هداية كتاب الصرف ج 3 ص 104 ط ديوبند۔

ذرات کتنی مقدار میں نکلیں گے یہ پہلے سے معلوم نہیں ہے تو یہ اجارۂ مجہولہ ہے اور درست نہیں، نیز یہ جنس عمل سے اجرت ہے جو بہت سے فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے[90]۔

(ب)اور اگر بیع ہے تو بیع صرف میں تماثل کے ساتھ مجلس عقد میں تقابض بدلین بھی ضروری ہے، جو یہاں موجود نہیں، اس لئے بیع بھی جائز نہیں ہے۔

سونا کے تاجروں اور کاریگروں کو چاہئے کہ معاملہ کی صورت پہلے سے طے کرکے کاروبار کریں، ورنہ شرعی قباحت سے چارہ نہیں، مثلاً یہ صورت ممکن ہے کہ قبل سے تیار شدہ زیورات سونا کے تاجروں کے پاس لے جائیں اور ان کے وزن کے مطابق ان کے بدلے سونا لے لیں۔

(۳)سونا چاندی کے پرانے زیورات کو نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، سونا چاندی میں نئے اور پرانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تماثل اور تقابض ہر حال میں ضروری ہے۔

فان باع فضة بفضة وذهباً بذهب لايجوز الا مثلاً بمثل وان اختلفت فى الجودة والصياغة[91]۔

---

[90] - الهداية 3 / 242 ، والفتاوى الهندية 4 / 444 ، والشرح الصغير 4 / 18 ط دار المعارف ، وبداية المجتهد 2 / 246 ، ومنهاج الطالبين وحاشية القليوبي 4 / 68 ، 69

[91] -هداية كتاب الصرف ج 3 ص 104 -

(۴)آج کل کمیوڈیٹر ا یکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے جس میں خریدار آرڈر دیتا اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے اس کے آرڈر کے بقدر وہ شے اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے:

الف: مثلاً دوسو(۲۰۰)افراد نے پچاس پچاس گرام سونے کا آرڈر دیا ،اور ایکسچینج میں ان سب کے نام سے پچاس پچاس گرام سونا محفوظ کردیا گیا،اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈر جسٹر میں درج بھی کردیا گیا،لیکن محض اس اندراج سے خریداروں کا قبضہ متحقق نہ ہوگا خواہ وہ ایک کلو سونا مشترک طور پر اینٹ کی شکل میں ہو یاالگ الگ بسکٹ اور سکوں کی شکل میں ،اس لئے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قبضہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ مبیع سے بائع یاکسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو،اور وہ کلی طور پر مشتری کے لئے فارغ ہو،نیز بائع کے ضمان سے مشتری کے ضمان میں منتقل ہوجائے[92]۔البتہ حنابلہ کے یہاں توسع ہے اور حق غیر میں مشغول اور غیر متمیز ہونے کے باوجود قبضہ مکمل ہوجاتا ہے[93]۔

(۵)ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آج کل رائج ہے،یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ تولے سونے کا سودا کرلیا جاتا ہے،خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا،جب ادائیگی کی تاریخ آتی

---

[92]-الفتاوى الهندية 3 / 17، ورد المحتار 4 / 562، 5 / 690 ط . الحلبي، بدائع الصنائع 6 / 125، 140، ومجمع الضمانات للبغدادي ص219، 238،

[93] - المغني 4 / 333 ط . دار المنار، وكشاف القناع 3 / 202 مط . أنصار السنة المحمدية.

ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خریدنے کے دن سونے کا نرخ تیس ہزار روپے فی تولہ تھا، اور ادائیگی کے دن اکتیس ہزار ہو گیا تو خریدار بائع کو ایک ہزار روپے ادا کرے گا، اور اگر ادائیگی کے دن انتیس ہزار روپے ہو گیا تو بائع خریدار کو ایک ہزار روپے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر، بس قیمتوں کے فرق کا کاروبار ہوتا ہے، میرے نزدیک یہ قمار کی ایک صورت ہے اور بالکل ناجائز ہے۔

سونا چاندی کی ذخیرہ اندوزی

(۶) بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد اس کو فروخت کریں، سونا اس پہلو سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعۂ تبادلہ ہے اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، تو کیا سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک کر رکھنا کیا احتکار کے دائرے میں آئے گا؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے اصول پر یہ احتکار ممنوع کے دائرے میں داخل نہیں ہے، ان بزرگوں کے نزدیک صرف انسانی یا حیوانی غذائی اشیاء کا احتکار ممنوع ہے، یعنی ایسی چیزیں جو براہ راست انسان یا جانوروں کے

نظام تغذیہ کو متاثر کرے، بالواسطہ یا سبب بعید کے طور پر متاثر کرنے والی ذخیرہ اندوزی احتکار ممنوع میں شامل نہیں ہے ،زیادہ سے زیادہ اس کو خلاف اولیٰ یا خلاف افضل کہا جاسکتا ہے ۔۔اور وہ بھی اس بناپر کہ حضرت امام ابویوسف ؒ کے نزدیک احتکار کا دائرہ دیگر ائمہ کی طرح وسیع ہے ،ان کے نزدیک عام لوگوں کو نقصان پہونچانے والا ہر احتکار درجہ بدرجہ ممنوع ہے:

ولأن حرمة الاحتكار بجبس المشترى في المصر لتعلق حق العامة به فيصير ظالما بمنع حقهم على ما نذكر ولم يوجد ذلك في المشتري خارج المصر من مكان بعيد لأنه متى اشتراه ولم يتعلق به حق أهل المصر فلا يتحقق الظلم ولكن مع هذا الأفضل له أن لا يفعل ويبيع لأن في الحبس ضررا بالمسلمين وكذلك ما حصل له من ضياعه بأن زرع أرضه فأمسك طعامه فليس ذلك باحتكار لأنه لم يتعلق به حق أهل المصر لكن الأفضل أن لا يفعل ويبيع لما قلنا ثم الاحتكار يجري في كل ما يضر بالعامة عند أبي يوسف رحمه الله قوتا كان أو لا وعند محمد رحمه الله لا يجري الاحتكار إلا في قوت الناس وعلف الدواب من الحنطة والشعير والتبن والقت[94].

سوناچاندی کی اسمگلنگ

(۷)ملک میں جو سونا آتا ہے اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے

---

[94] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 11 ص 377 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا، جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، اس کو آج کی اصطلاح میں اسمگلنگ کہتے ہیں، قانون کی نگاہ میں یہ جرم ہے اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ مال ضبط ہو سکتا ہے، شریعت کی نگاہ میں حکومت کے جائز ضوابط کی رعایت لازم ہے، اس کی تکمیل نہ کرنا گناہ ہے، اس لئے کہ یہ ملک کے معاہدۂ شہریت کے خلاف ہے، مسلمان ہر حال میں اپنے عہد کا پابند ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ فِيمَا وَافَقَ الْحَقَّ[95] »

ترجمہ: موافق حق معاملات میں مسلمان شرائط کا پابند ہوتا ہے۔

فقہاء نے قومی اور بین الاقوامی بے شمار مسائل میں اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے[96]۔

علاوہ ازیں مسلمان کی عزت وحرمت کی حفاظت مقاصد دین بلکہ

---

[95] - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ۷ ص ۲۴۹ حدیث نمبر: ۱۴۸۲۱ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى ـــ 1344 هـ عدد الأجزاء : 10 – امام بخاریؒ نے اس روایت کو ترجمۃ الباب میں تعلیقاً نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۴۔

[96] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۴ ص ۱۹۰ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م .

ضروریات ستہ(حفاظت دین ،حفاظت جان ،حفاظت مال ،حفاظت عقل ،اور حفاظت آبرو یا نسب) میں شامل ہے[97]، ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی عزت وآبرو خطرہ میں پڑ سکتی ہے،اس لئے بلا کسی عذر شرعی کے اس کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں۔

ان وجوہات کی بناپر خلاف قانون اسمگلنگ کرنا جرم ہے، لیکن اگر کسی نے بچ بچا کر سونا لے آیا تو حاصل شدہ مال حلال وطیب ہے، بشرطیکہ بیع وشرا کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو ،اس لئے کہ حنفیہ کے اصول کے مطابق عملی فساد کا تعلق گناہ وثواب سے ہے نہ کہ مال کی حلت وحرمت سے۔

(۸) آج کل "پلاٹین "کو سفید سونا کہا جاتا ہے ،اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے ،اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں ، لیکن اس کے باوجود زکوٰۃ یا عقود ومعاملات میں اس پر حقیقی سونا کے احکام جاری نہیں ہونگے ،اس لئے کہ سونا چاندی میں ثمنیت یا تو خلقی طور پر ہے جیسا کہ مشہور ہے ،یا اعتباری طور پر، پلاٹین کو ان دونوں میں سے کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے،اس

---

[97] - شرح مختصر الروضة ج ٣ ص ٢٠٩ المؤلف : سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى : 716هـ)المحقق : عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1407 هـ / 1987 م عدد الأجزاء : 3 ،- تيسير الوصول إلى قواعد الأصول ومعاقد الفصول ج ١ ص ٣٧٢ للإمام عبد المؤمن بن عبد الحقّ البغدادي الحنبلي (658 ـ 739هـ) شرح : عبد الله بن صالح الفوزان المدرّس ـ سابقاً ـ بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية فرع القصيم
مقدمة الطبعة الثانية «وهي الأولى لدار ابن الجوزي-

کا ثمن خلقی ہونا تو ممکن ہی نہیں، اسی طرح جب تک کہ یہ وسیلۂ تبادلہ اور معیار ثمن کی حیثیت سے لوگوں میں متعارف نہ ہو جائے اور حکومتیں اسے تسلیم نہ کرلیں اس کو ثمن اعتباری بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔۔۔موجودہ حالات میں یہ صرف عروض کے درجہ میں ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامعہ ربانی، منورواشریف سمستی پور

۳ / ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۲ / جنوری ۲۰۱۷ء